# الاصلاح

دائرہ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

امین احسن اصلاحی

رجسٹرڈ نمبر ۲۹۰۲

## دائرہ حمیدیہ کی اعانت

دائرہ حمیدیہ کی خدمت واعانت، کتاب الٰہی کی خدمت واعانت ہے۔ اسکی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ جو حضرات سو روپے یکمشت دائرہ کو عنایت فرمائیں گے وہ دائرہ کے معاون دائمی متصور ہونگے۔ ان کو دائرہ کا رسالہ "الاصلاح" اور تمام مطبوعات برابر ہدیۃً دی جائیں گی۔

۲۔ جو حضرات پچاس روپیہ یکمشت عنایت فرمائیں گے۔ ان کو رسالہ الاصلاح اور دائرہ کی دوسری مطبوعات برابر نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

۳۔ جو حضرات دس روپے سالانہ عنایت فرمائیں گے ان کی خدمت میں الاصلاح ہدیۃً جاری کیا جائے گا اور سال بھر کی مطبوعات بلاقیمت بھیجی جائیں گی۔

## ہدایات و قواعد

۱۔ الاصلاح ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تک شایع ہوگا۔

۲۔ اگر مہینہ کے آخر تک پرچہ نہ پہنچے، فوراً دفتر کو لکھ کر منگوا لیجئے ورنہ بقیمت بھیجا جائے گا۔

۳۔ مضامین وغیرہ اڈیٹر کے نام بھیجئے اور دفتر سے متعلق امور کے لئے تمام خط وکتابت منیجر سے کیجئے۔

۴۔ دفتر سے خط وکتابت کرنے میں خریداروں کو نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔

۵۔ چندہ سالانہ چار روپے۔ بیرون ہند کے لئے چھ روپے۔ فی پرچہ چھ آنے۔

عبدالصمد صلاحی منیجر دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ

[illegible] مدرسۃ الاصلاح [illegible] اعظم گڈھ میں چھپا کر شایع کیا

# دائرہ حمیدیہ کی اردو مطبوعات

## تفسیر سورۂ اخلاص

استاذ امام علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ اس وقت تک ہزاروں صفحات تفسیریں لکھی گئیں۔ لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہی کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں وہ ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت ۱۰ ۵ر

## تفسیر سورۂ کوثر

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ الکوثر کا اردو ترجمہ ہے۔ جس میں کوثر کی تحقیق، خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت اور نماز اور قربانی کے اسرار و حقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت جاذب نظر۔ کاغذ عمدہ۔ تقطیع ۳۰×۲۰/۱۶ حجم ۱۲۳ صفحے۔ قیمت ۸ر

## تفسیر سورۂ لہب

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ اللہب کا اردو ترجمہ ہے۔ جس میں عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بد دعا ہے۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت بہتر۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ حجم ۴۰ صفحے۔ قیمت ۲ر

منیجر



| جلد ۲ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۹ء | نمبر ۲ |
|---|---|---|


## فہرست مضامین


| | | |
|---|---|---|
| شذرات | امین احسن اصلاحی | ۲ - ۸ |
| **معارف قرآن** | | |
| تفسیر سورہ تحریم | استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ | ۹ - ۱۹ |
| ذبیح کون ہے؟ | " " " | ۲۰ - ۳۲ |
| والنجم اذا ہوی | جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی | ۳۳ - ۳۴ |
| **مقالات** | | |
| سیرت شبلی (۱۵) | جناب مولانا اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے علیگ | ۳۵ - ۴۷ |
| **ادبیات** | | |
| نذر عقیدت | جناب مرزا احسان احمد صاحب ایم اے علیگ | ۴۸ - ۵۰ |
| **تقریظ و تبصرہ** | | |
| مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش | ا - ن | ۵۱ - ۶۴ |

# شذرات

## قومیت اور ملیت

"مسلمان اور متحدہ قومیت ہند" کے موضوع پر جس طرح آج اخبارات میں گرما گرم بحثوں کا سلسلہ جاری ہے اسی طرح ۱۹۲۰ء میں بھی یہ مسئلہ "انڈین نیشنل یونین" کے قیام کی تقریب سے چھڑا تھا۔ اس زمانہ میں مولانا محمد علی مرحوم نے اپنے اخبار ہمدرد میں بعض مضامین لکھے تھے جن کے بعض فقرے میرے حافظہ میں محفوظ تھے اور اصل مضمون کے دوبارہ دیکھنے کی خواہش بار بار دل میں چٹکیاں لیتی تھی۔ مگر نہ اس کے تلاش کے لئے فرصت میسر آئی، نہ یہ مطلوب عزیز آپ سے آپ ہاتھ آیا۔ کل مکتبہ جامعہ سے کتابوں کا ایک پارسل ریویو کے لئے آیا، اس میں ایک کتاب "مضامین محمد علی" کے نام سے بھی نکلی جو مولانا کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کو الٹا پلٹا تو اتفاق سے وہ مضمون بھی نکل آیا جس کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اور جی چاہا کہ اس سے استفادہ میں، قارئین بھی شریک ہوں۔

اس وقت اس کتاب کے ذکر کی تقریب یہی مضمون ہے ......... اس پر اور دوسری کتابوں پر تبصرہ انشاء اللہ اگلی اشاعت سے نکل سکے گا۔ اور کئی مہینہ سے عام تقریظ و تبصرہ کا سلسلہ بند ہو جانے کی وجہ سے کتابوں کا اچھا خاصہ انبار جمع ہو گیا ہے۔ حضرات مصنفین و ناشرین سے اس مجبورانہ تاخیر و تقصیر خدمت پر معافی چاہتے ہیں۔

---

"انڈین نیشنل یونین" کے قیام کی تحریک پنڈت موتی لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک مشترک اعلان سے ہوئی تھی، اور مقصود یہ تھا کہ لوگوں میں قومیت، حب الوطنی اور یگانگت کے جذبات پیدا ہوں لیکن چونکہ





اس میں شریک ہونے والے لوگوں کے لئے یہ شرط بھی تھی کہ وہ کھلی ہوئی فرقہ وارانہ انجمنوں کے ممبر نہیں ہو سکتے، اسلئے بعض لوگوں کو یہ خوف پیدا ہو گیا کہ یہ نئی مجلس ہندوستان میں صرف وجود قومیت کی خواہاں نہیں ہے بلکہ وجود مذہب و ملت کی دشمن بھی ہے۔ خود مولانا بھی اس کو اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ان کا یہ فقرہ اس انجمن کے متعلق ہمیشہ یاد رکھا جائیگا:

"اٹلی کے مشہور شاعر ڈانٹے اور انگلستان کے مشہور شاعر ملٹن نے دوزخ کی جو تصویر کھینچی ہے اس کا سب سے زیادہ خوفناک پہلو یہ ہے کہ اس کے دروازے پر کندہ ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو، امید کو باہر چھوڑ آئے۔ پنڈت موتی لال نہرو صاحب اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بظاہر ایک نئی جہنم پیدا کرنی چاہی تھی جس کے دروازہ پر کندہ ہو کہ جو اس میں داخل ہونا چاہے وہ ملت و مذہب کو باہر چھوڑ آئے۔"

---

مولانا جب کسی چیز کے مخالف ہو جاتے تھے تو اس کے ابطال میں قلم کا پورا زور صرف کر دیتے تھے، تاہم معاملہ کے اصل نقطہ سے ان کی نگاہ نہیں ہٹتی تھی۔ اس مضمون کے جستہ جستہ فقرے ہم اس لئے یہاں نقل کرتے ہیں، کہ اس مسئلہ پر ان کا نقطہ نظر لوگوں کے سامنے آجائے۔

"وہ فرقہ وارانہ جد و جہد جو دوسرے فرقوں سے دشمنی رکھنے کے باعث کی جائے یقیناً ایک مختلف الاجزاء مگر متحد اور مشترک قومیت کے منافی ہے، جس کا پیدا کرنا اور جس کو تربیت دینا ہر محب وطن اور وطن پرور ہندوستانی کا فرض ہے۔"

"دنیا کی تقسیم جغرافیائی یا بنی آدم میں اختلاف نسل کے متعلق ہماری کوتاہ نظریں قومیت کی تکوین کا باعث ہوتی ہیں لیکن برخلاف اس کے اختلاف عقائد جو ذوی العقول کے لئے سب سے زیادہ منطقی تقسیم کے سبب ہوتے ہیں تکوین ملیت کا باعث ہیں۔ اس معنی میں ملیت قومیت کی منافی ہو۔ اسلام نے دنیا کو بہ آئین یورپ کی طرح قوموں اور ملکوں میں تقسیم نہیں کیا ہے۔ بلکہ ذوی العقول کو اختلافات عقلی یعنی اختلافات مذہبی کی بنا پر ملتوں میں تقسیم کیا ہے لیکن اس معنی میں بھی ملیت قومیت کی اسقدر منافی نہیں ہے کہ مختلف ملتوں کا وجود ہی قومیت

کو پیدا نہ ہونے دے۔ ہماری سیاست ہمیں بعض اوقات مجبور کرتی ہے کہ ہم پہلی تقسیم پر زور دیں اور ایسا کرنا
اس تقسیم پر زور دینا ہمارا فرض ہو جاتا ہے لیکن حقیقی اور صحیح تقسیم دوسری ہے۔"

آگے چلکر فرماتے ہیں:-

"اسلام نے دنیا کو مسلم و کافر دو حصوں میں ضرور تقسیم کیا ہے لیکن کیا اسلام نے اس کی اجازت دی ہے کہ اپنی ملت کی محبت میں کوئی مسلمان اتنا سرشار ہو جائے کہ بنی آدم کے ساتھ انصاف کو بھی ترک کر دے۔"

پھر فرماتے ہیں:-

ایک مسلمان اس قومیت کا ہرگز طرفدار نہیں ہو سکتا جو اسے اپنے دینی بھائیوں کی تنظیم سے باز رکھے لیکن وہ اس ملیت کا بھی طرفدار نہیں ہو سکتا جس کی طرف بعض مسلمان اسے گھسیٹنا چاہتے ہیں اور ہمیشہ سے پناہ مانگے گا کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم پر ظلم کرے تو یہی نہیں کہ اس کو اس ظلم میں مدد دے بلکہ اسے اس ظلم کو جائز بھی سمجھے۔"

مولانا نے اس معاملہ میں ٹھیک وسط و اعتدال کی راہ اختیار کی ہے اور یہی الاصلاح کا بھی نقطۂ نظر ہے۔ ہندوستان میں ایک متحدہ اور مشترک قومیت کے نقطۂ نظر سے ہمیں اختلاف نہیں ہے بشرطیکہ وہ مختلف اجزا جو اور ایسی صورتیں نظام حکومت میں اختیار کی جائیں جو مختلف اجزا کے امتیازات و خصوصیات اور ان کے حقوق و اختیارات کا ٹھیک ٹھیک تحفظ کر دیں۔ اس کے بغیر خالص وطنی بنیاد پر قومیت کا تصور ہندوستان کی مختلف قوموں میں پیدا ہونا ناممکن ہے۔ اس میں سر کھپانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کانگریس اگر اختلافات کی خلیج اور زیادہ وسیع نہیں کرنا چاہتی تو اس کا فرض ہے کہ وہ معاملہ پر اس نقطۂ نظر سے غور کرے ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں ہندوستان دو حصوں میں تقسیم نہ ہو جائے۔

---

**علما کے مناقب!** ایک معزز معاصر نے اپنے صفحات میں کسی صاحب کا ایک مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں ضمناً علما کے مناقب بھی صاحب مضمون کی زبان قلم پر آگئے ہیں۔ اس کے چند فقرے





پیش کرتا ہوں۔

"آجکل کے علما دو نفسی بیماریوں کے مریض ہیں۔ ایک جہل مرکب اور دوسری حقارت مرکب۔ یعنی ہر عالم جاہل ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی خود کو عالم اجل سمجھتا ہے اسی طرح وہ ہر اعتبار سے حقیر ہوتا ہے لیکن ہمیشہ اپنے نفس کو فریب دیتا ہے کہ وہ حقیر نہیں ہے۔ آپ ان علما میں سے کسی سے بات کیجئے۔ آپ کو بہت جلد ان دونوں صفتوں کا اندازہ ہو جائے گا۔ ہمارا ہر عالم چوبیس گھنٹے اسی فکر میں رہتا ہے کہ اسے کوئی جاہل نہ سمجھے یا اسے کوئی حقیر نہ سمجھے، جہل اور حقارت کا چور اس کے دل میں چھپا ہوتا ہے اس لئے وہ ہر آن و ہر لحظہ اسی چور سے گرفتار رہتا ہے۔ بس انکا یہی کام ہے، اس کے سوا اس کی نفسیات کا تجزیہ اور کچھ نہیں۔"

"ان بیچاروں کو نہ سوئز نہر کا حال معلوم ہے، نہ انگلینڈ کا، جو نہ کانسٹی ٹیوشن کو جانیں، نہ جمہوریت کو، نہ انھیں یہ پتہ کہ فرانس میں انقلاب کیوں آیا یا روس میں سوشلزم کیوں چمکا، وہی آج ہماری بدنصیبی سے اسٹیجوں پر چڑھ چڑھ کر ہماری ناؤ کھینے کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔"

ان گالیوں کا انداز ذرا فلسفیانہ تھا اس لئے میں نے ان کو اقتباس کر لیا ہے۔ باقی ایک لمبی فہرست بازار کے چبوترے والی گالیوں کی بھی ہے۔ بعض حضرات تو نام بنام زد میں آگئے ہیں۔ صرف دو علما اس قتل عام سے بچے ہیں۔ بارک اللہ فیہما وکثر اللہ امثالہما۔

جن صاحب نے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں ان سے کسی شکایت کا موقع نہیں ہے۔ یہ جذبات و احساسات تنہا انہی کے دل کے نہیں ہیں۔ آج عام طور پر علما، عربی مدارس، عربی تعلیم کے متعلق جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے خیالات یہی ہیں۔ اور یہ خیالات اب آہستہ آہستہ عوام میں بھی پھیل رہے ہیں۔ ان خیالات میں سیاسی اختلافات کو بھی کچھ ایسا دخل نہیں ہے۔ صاحب مضمون نے علما پر جو شتم رولر چلایا ہے اس میں اس طرح کی بھی کوئی تفریق نہیں معلوم ہوتی۔ ایسی حالت میں غصہ ہونے کے بجائے ایسے لوگوں کو فیاضی سے معاف کر دینا چاہئے۔

پھر ویسے بھی جب انھوں نے اپنا نام چھپایا ہے۔ تو ان سے درگذر کرنا ہی بہتر ہے۔ ہم کو اصل مسئلہ پر غور کرنا ہے کہ ان تمام اتہامات میں کتنی حقیقت ہے۔ اور اس کے دور کرنے کی کیا شکل ہے!

---

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ عام طور پر عربی مدارس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور طلبہ کے سامنے جو چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان کو ہماری موجودہ عملی زندگی کے احوال و مسائل سے بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں یا تو ہمیں یہ کرنا چاہئے کہ ہم انھیں جس عالم کی تعلیم دیتے ہیں اسی عالم میں انھیں جینے اور زندگی بسر کرنے کیلئے بھی بھیجدیں اور اس عالم میں قدم بھی نہ رکھنے دیں یا یہ کریں کہ انھیں اس عالم کے احوال و مسائل سے بھی باقاعدہ آگاہ کریں۔ یہ کیا کہ ہم انھیں خشکی میں جینے کا تو ڈھنگ سکھاتے ہیں اور پھر اس دنیا کی سیاسیات کے سمندر میں لاکر ڈال دیتے ہیں۔ اس صورت حالات کے جو نتائج ہو سکتے تھے وہ اب سامنے آرہے ہیں اور حیف ہے اگر ہمارے ارباب حل وعقد اب بھی اس پر غور نہ کریں۔ عربی مدارس کو موجودہ ڈھیر پر گھسیٹتے رہنا درحقیقت، علما، مذہب، علوم اسلامیہ اور ان مدارس، سب کا چند دنوں کے بعد خاتمہ کردینا ہے۔ اب اگر ان کو زندہ رکھنا ہے تو نصابوں اور طریق تعلیم کی تبدیلی میں ایک لمحہ کا توقف بھی موت کے مرادف ہے۔ ۔ دینی علوم کیا ہیں؟ قرآن، حدیث، قانون اسلامی۔ ان کے علاوہ نصابوں سے تمام غیر ضروری کتابوں کا بوجھ ہٹا کر جدید فلسفہ کی بعض ضروری مفید شاخوں اور انگریزی زبان کا اضافہ کرنا چاہئے۔ بعض عربی مدارس میں انگریزی کی چند ریڈریں جو پڑھائی جاتی ہیں یہ بالکل مفید مقصد نہیں ہے۔ سر سید نے کالج میں مذہبی تعلیم بھی رکھی تھی جو بقول اکبر مرحوم بادہ گلگوں میں تھوڑی سی زمزم تھی، ہم نے ہی کو الٹ کر زمزم میں چند بوندیں بادۂ گلگوں کی ملادیں، اس سے کیا ہوتا ہے! جدید علوم و فنون تو علما ہی کے پڑھنے کے تھے، یہی اس کے غث و ثمین کو پہچان سکتے تھے، یہ دینی تعلیم الگ اور دنیاوی تعلیم الگ کا فلسفہ جن لوگوں نے اختیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے کہ انہی کے بوئے ہوئے تخم فساد کے مسموم برگ و بار ہیں جن کے سایہ کے نیچے آج مذہب کا دم گھٹ رہا ہے۔





بہرحال ملک کے خاص خاص نمایاں عربی مدارس کو فوراً بدل جانا چاہئے۔ لوگوں میں پرانی لکیر کو چھوڑنے کی ہمت پیدا ہو جائے تو ہمارا خیال ہے کہ روپیہ کی شکل کچھ بہت لاینحل نہیں ہے۔ قوم میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ عربی مدارس کی تعلیم مفید اور ترقی بخش ہے تو اس طرح کی صلاحات کے لئے اس کے پاس بہت روپیہ ہے۔ جو قوم علی گڑھ کالج بنا سکتی ہے حالانکہ اس سے اس نے جتنی توقعات وابستہ کی تھیں ان میں سے ایک بھی پوری نہ ہوئی وہ ایک ایسے دارالعلوم کی کفالت سے عاجز نہ رہے گی جو علوم جدیدہ کی تعلیم قرآن و حدیث کے ماتحت رکھ کر دے۔ ہمیں امید ہے کہ اب ہمارے علما اس کے لئے ہمت کریں گے ورنہ دنیا کی سیاست میں، جدید تعلیم یافتوں کے مقابل میں ان کی حیثیت وہی ہوگی کہ

ع بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

---

**فاتحہ تفسیر نظام القرآن** استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر نظام القرآن کا مقدمہ جو تفسیر بسم اللہ اور تفسیر سورہ فاتحہ کے ساتھ چھاپا گیا ہے، قارئین اور معاصرین کی خدمت میں الاصلاح بابت دسمبر ۱۹۳۸ء کے عوض بھیجا گیا ہے۔ اس کی ترتیب کی خدمت اخوکم مولوی اختر احسن صاحب اصلاحی نے انجام دی ہے اور طباعت کا اہتمام برادرم مولوی حافظ عبد الاحد صاحب اصلاحی منیجر دائرہ حمیدیہ کی کوششوں کا رہین احسان ہے۔ کتاب کے قدر دان ان کی کوششوں کو قبول فرمائیں۔ ہم سب اپنے مخدوم حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے شکرگذار ہیں جنھوں نے ترتیب و تہذیب کی تمام مشکلات میں رہنمائی فرمائی اور ان کی رہنمائی سے ان منتشر اوراق نے کتاب کی شکل اختیار کی۔

مخدومی جناب حاجی حافظ ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب صدر دائرہ اور مخدومی جناب شیخ سلیمان صاحب رکن دائرہ کے عطیات نے اس کتاب کے چھاپنے کی ہمت دلائی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کے اور قوم کی طرف سے شکریہ کے اصلی مستحق یہی لوگ ہیں۔ شکر اللہ مساعیہم

معاصرین سے التجا ہے کہ اپنے موقر صفحات میں اس کا ذکر فرما دیں اور قارئین سے سفارش کریں کہ اسکی اشاعت میں مدد کریں۔ اسکی قیمت عہ ہے۔

مولوی بدر احسن صاحب اس کتاب سے فارغ ہونے کے بعد اب تفسیر سورۂ بقرہ کی ترتیب میں مشغول ہیں۔ خدا نے چاہا اور کسی بندۂ خدا کو ہمارے کاموں سے ہمدردی ہوگی تو انشاء اللہ چند مہینے کے اندر اندر یہ کتاب بھی شائع ہو جائیگی۔

مولانا کی غیر مطبوعہ تصنیفات کا صندوق ایک بار امانت ہے جس کو ہم لوگوں نے خدا کے بھروسہ پر اپنے سروں پر اٹھا لیا ہے دیکھئے اس امانت کی ادائیگی سے سبکدوشی کی سعادت کب حاصل ہوتی ہے۔

الاصلاح کے پڑھنے والوں میں آج جو حضرات عربی سے ناواقف ہیں وہ ایک خسارہ محسوس کرتے ہوں گے کہ انھیں ایک ایسی چیز دی گئی ہے جس سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مگر انھیں یہ بات بھولنی نہیں چاہئے کہ دائرۂ حمیدیہ جس کی وہ سرپرستی فرما رہے ہیں، کے کاموں میں کوئی چیز بھی خسارہ اور نفع کے پیمانے سے نہیں تولی جاتی ہے۔ الاصلاح نکلتا ہے چند سو روپے سالانہ خسارہ کے ساتھ، کتابیں نکلتی ہیں جن سے بمشکل سے اس ملک کے چند گنتی کے اصحاب علم فائدہ اٹھاتے ہیں، پس جب بازار میں خسارہ ہی کا کاروبار شب و روز چل رہا ہو اور جب ولایت میں سود و نفع کے نام سے بھی لوگ واقف نہ ہوں، اگر اتفاق سے کبھی [illegible] ہوگیا ہے تو چند آنے پیسوں کا خون کر کے اس ولایت کے کاروبار کا اگر یہ قیمتی تجربہ وہ بھی خرید لیں گے تو گو بظاہر وہ اپنے کو گھاٹے میں سمجھیں مگر حقیقت میں ان شاء اللہ گھاٹے میں نہ رہیں گے۔

ایک فقیر بوریا نشین نے پورے چالیس برس تک گوشۂ تدبر قرآن کے خار زار میں مشغول ہو کے یہ منتشر اوراق لکھے اور پھر ان کو خدا ہی سے آشنا جیسوں کی امانت میں چھوڑ کر اس دنیا سے چلا گیا جن کے پاس نہ علم ہے نہ روپیہ۔ صرف حیات چند روزہ کے ایام رہین ہیں، اے کاش ان کی صرف اتنی ہی قیمت اس دنیا کے بازار میں لگ جائے کہ وہ اس امانت کا حق ادا کر سکیں۔

یہ چند سطریں معلوم نہیں کس تاثر میں زبان قلم سے نکل گئی ہیں ورنہ حق اور سچ دل کو تڑپنے اور زبان کو حرف شکایت سے آلودہ کرنے کی عادت نہیں ہے۔ حافظ کے اس شعر نے بارہا تسلی دی ہے۔ آج قارئین بھی سن لیں۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ دوست خود روش بندہ پروری داند





# معارف قرآن

## تفسیر سورۂ تحریم

(۳)

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

### آیت ۱-۲ کا شان نزول

۸۔ عورتیں اپنے ضعف ذکاوت حس کی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض کھانے کی چیزیں ناپسند کرتی ہیں۔ یہ عام نسوانی فطرت امہات المومنین میں بھی موجود تھی۔ ان میں سے کسی کسی کو بعض چیزیں طبعاً نامرغوب تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کو شہد (جیسا کہ روایات میں وارد ہے) ناپسند رہا ہو۔ بالخصوص شہد کی بعض قسمیں اپنی بو اور مزے کی تلخی کی وجہ سے ایسی ہوتی بھی ہیں کہ ہر شخص ان کو پسند نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلعم کو شہد بہت مرغوب تھا، لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کی ازواج میں سے بعض کو ناپسند ہے تو آپ نے ترک فرما دیا۔ اور اس کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

الف۔ آپ میں غایت درجہ ایثار کا جذبہ تھا۔

ب۔ کمزوروں بالخصوص عورتوں اور یتیموں کے معاملہ میں آپ غایت درجہ مہربان تھے۔

ج۔ آپ بالطبع عمدہ اور طیب چیزوں کو پسند فرماتے تھے اور کریہ الرائحہ اور ناگوار چیزوں کو ناپسند فرماتے تھے۔ نیز یہ چیز آپ کے دین میں حلت و حرمت کی علامات میں سے تھی اس لئے

اپنی ازواج کی دلداری کے طور پر آپ نے شہد کھانا ترک فرما دیا۔

علاوہ ازیں بعض اور اسباب بھی اس کے محرک ہوئے۔ جب صحابہؓ کو آپ کے اس ارادہ کا حال معلوم ہوا تو آپ کی پیروی میں انھوں نے بھی شہد کا استعمال ترک کر دیا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو حکم دیا کہ اپنا یہ عہد توڑ ڈالیں۔ اور نقض قسم کی گرانی، جو ایسی حالت میں قدرۃً ہر طبیعت محسوس کرتی، اس کا ازالہ یہ کہکر فرما دیا کہ " واللہ مولٰکم اور اللہ تمھارا مالک ہے۔

یہ واقعہ کا سیدھا سادا بیان ہوا۔ اب دیکھو اس کے لپیٹ میں بہت سی حکیمانہ تعلیمات بیان ہو گئی ہیں۔ مثلاً

۱۔ بیویوں کی دلداری ایک محمود کیرکٹر ہے الا آنکہ کسی دینی نقصان تک متعدی ہو۔ سورہ لقمان میں بھی ہم کو یہی تعلیم ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک و اطاعت کی نصیحت فرمائی لیکن ساتھ ہی ایسی باتوں میں ان کی اطاعت سے روک دیا جو خدا کی نافرمانی کا باعث ہوں۔ پس اسی اصول کے مطابق یہاں بھی رضاجوئی اور دلداری کو اصل قرار دیا اور اس کی ممانعت اسی شکل میں فرمائی جب اس سے کسی دینی ضرر کا اندیشہ ہو۔

۲۔ دوسری یہ کہ اگر آدمی خدا کے حکم کے خلاف کوئی قسم کھا بیٹھے تو اس قسم کا توڑنا واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی عہد اس وقت تک عہد نہیں ہے جب تک عبد و معبود دونوں کی رضا کی بنیاد پر وہ قائم نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جو عہد خدا کی رضا کے لئے نہیں بلکہ اس کی نافرمانی کے لئے ہے وہ عہد اس وصف سے بالکل محروم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے ارشادات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۳۔ اس میں رہبانیت کی نہایت واضح لفظوں میں تردید ہو گئی ہے جیسا کہ ہم پہلی اور چوتھی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔

۴۔ اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی جو مخصوص مہربانی اور بعثت محمدی کے ذریعہ تکمیل دین کا





جو مخصوص اہتمام ہے وہ بھی اس سے پوری طرح واضح ہوتا ہے کہ جو معاملات بظاہر نہایت معمولی نظر آتے ہیں وہ بھی احتساب کی گرفت سے نہیں بچتے تاکہ ہم پر یہ بات اچھی طرح روشن رہے کہ جو باتیں ہماری نگاہوں میں معمولی ہوتی ہیں، بسا اوقات اپنے نتائج کے اعتبار سے نہایت خوفناک ہوتی ہیں۔

۵۔ شریعت کے تمام احکام علم و حکمت پر مبنی ہیں۔

۶۔ تحریم و تحلیل کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس باب میں جو لوگ بدعت کے مرتکب ہوئے ان کو نہایت سخت الفاظ میں بعض جگہ سرزنش فرمائی ہے۔ ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی الله الکذب ان الذین یفترون علی الله الکذب لا یفلحون ہر چند کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو حرام نہیں کیا تھا، لیکن آپ کا اور آپ کے صحابہؓ کا فعل بعد والوں کے لئے نمونہ ہو سکتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے روک دیا۔ اور یہی باعث تھا کہ آنحضرت صلعم نے تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ ترک فرما دی۔ اس کی تفصیل اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله کی تفسیر کے ذیل میں ملے گی۔ اور کچھ حصہ سورہ انعام میں بھی ملے گا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ بدعت شرک اور کفر کا ایک شعبہ ہے۔

یہ وہ بنیادی تعلیمات ہیں جو ان آیات پر تدبر سے حاصل ہوتی ہیں۔ باقی اس امر کی کرید کہ وہ کیا شے تھی جو آنحضرت صلعم نے ترک فرمائی تھی، ایک ایسی بات ہے جس میں وقت ضائع کرنا بالکل فضول ہے۔ جس چیز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اس کے کھوج میں پڑنے سے کیا حاصل؟

ابتدا کی دو آیتوں کا شان نزول یہ ہے۔ باقی رہیں اس کے بعد کی آیات تو ان کا تعلق دوسرے واقعہ سے ہے اور اب ہم ان کے شان نزول کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

## آیات ۳-۵ کا شان نزول

۹۔ آیت (واذ اسر النبی ——— ابکارا) میں ایک دوسرے مگر پہلے سے بالکل علیحدہ

ہوئے واقعہ کا بیان ہوا ہے اور اس کے بعد بالعموم مماثل واقعات ہی کا بیان ہوتا ہے پہلے آنحضرت صلعم کے خلق عظیم کا وہ پہلو بیان کیا جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ازواج مطہرات کی غایت درجہ دلداری فرماتے تھے۔ پھر اسی سے ملتے جلتے ایک دوسرے پہلو کو بے نقاب کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کو اپنا محرم اسرار بھی بناتے تھے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ میاں بیوی کے باہمی فرائض محبت میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ اسی چیز کو حاصل ہے۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی سے اپنے رازوں کو چھپاتا ہے تو اس نے اس کا درجہ بہت گرا دیا گویا میاں بیوی کے فطری تعلق کو وہ صرف ایک حیوانی خواہش کی تشفی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور بس۔

پھر اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اس رازداری کا ذکر فرمایا جس کی ذمہ داری عورت پر ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:- فالصلحت قانتات حفظت للغیب بما حفظ اللہ۔ (پس نیکوکار عورتیں فرمانبردار اور غیب کی حفاظت کرنیوالی ہیں بوجہ اس کے اللہ نے اس کی حفاظت کی) اس آیت پر غور کرو، حفظ غیب اور رازداری کا رتبہ اس قدر بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے صفات میں سے گنایا ہے۔ اور اسی صفت کی بنا پر اسکا نام ستار ہے۔

پھر اس سے ہم کو ایک اور اعلیٰ تعلیم بھی ملتی ہے کہ ملامت و نصیحت میں (بالخصوص بیوی کے معاملہ میں) سخت گیری و تشدد کا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیئے، نرمی اور رفق کا انداز اختیار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس معاملہ میں یہاں آنحضرت صلعم کا جو اخلاق بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپنے پوری بات نہیں ذکر کی، صرف اس کی طرف ایک اشارہ فرما دیا کہ تفصیل موجب وحشت و تکلیف نہ ہو۔

علاوہ ازیں اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سوکنوں میں محبت، جو عورت کی سب سے اعلیٰ مگر کمیاب صفت ہے، آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات میں بالعموم اور ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ (رحمہا اللہ) میں، بوجہ ان کی کمال عقل و طہارت نفس کے، پورے طور پر موجود تھی۔





چنانچہ یہ باہمی محبت ہی تھی جس نے آپس میں رازداری کے تمام پردے ہٹا دیئے تھے اور ایک نے دوسرے سے راز کی بات بے تکلف ظاہر کر دی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی۔ اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ لغزش جو بربنائے محبت و اخلاص صادر ہوئی باعتبار اپنے منشاء کے بہت سی نیکیوں پر فضیلت کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح کی لغزش حضرت نوح علیہ السلام سے اپنے بیٹے کیلئے استغفار کے معاملہ میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے باپ کے معاملہ میں ہوئی جو درحقیقت اس رافت و محبت کا مظہر تھی جو محمود ہے۔ پس حقیقت کے اعتبار سے یہ فعل رہبانیت سے مشابہت رکھتا ہے جو ایک خلق حسن سے وجود میں آتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس چیز کی حلت کا حکم دیا جو بربنائے تشدد حرام کر لی گئی ہو اسی طرح اس چیز کی حرمت کا بھی حکم دیا جو بربنائے سماحت حلال کر دی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا دین کس طرح نرمی و سختی کے درمیان ایک نقطہ اعتدال ہے اور وہ کس صحت و اہتمام کے ساتھ ہر چیز کو اس کی اصل جگہ میں دیکھنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عائشہ و حفصہ (رضی اللہ عنہما) کی توبہ و انابت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی پوری تفصیل ہم ایک مستقل فصل میں 'صغت قلوبکما' کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان کریں گے۔ جنگ کے بعد صلح اور آزردگی کے بعد ملاپ کی لذتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے! یہی سچی اور حقیقی توبہ ہے۔ اس کی تفصیل آل عمران کی آیت ۱۳۲ - ۱۳۵ میں ملے گی جہاں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنیوالوں کی تعریف فرمائی ہے اس سے اندازہ کر سکو گے کہ توبہ کا رتبہ کس قدر بلند ہے۔

پھر ان سب کے بعد ایک اور عظیم حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ کہ زوجین کے فرائض میں سے باہمی مودت و موانست بھی ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ آیت وان تظهرا علیه فان الله هو مولٰه وجبریل (اگر وہ دونوں اس کے خلاف ایکا کرینگی تو اللہ اس کا مولیٰ ہے اور جبریل) سے جس صورت حالات کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ ہو رہا ہے احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ہم اس کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ جس طرح آپ اپنے صحابہؓ کے ساتھ تمام چھوٹے بڑے کاموں میں شریک ہوتے تھے اسی طرح گھر کے کام کاج میں اپنی ازواج مطہرات کا بھی ہاتھ بٹاتے تھے اور اس خلق نبوی نے قدرۃً باہم گہرے انس و محبت کی ایک ایسی حالت پیدا کر دی تھی جس کو زیادہ سے زیادہ اعتماد کی حالت کہا جا سکتا ہے۔ اس باہمی اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آنحضرت صلعم نے افشائے راز پر کچھ قدرے ناخوشی کا اظہار فرمایا اور کچھ کھنچے کھنچے سے ظاہر ہوئے تو ان دونوں بیبیوں پر یہ بات شاق گذری اور ان میں ایک طرح کا جذبہ غیرت و حمیت بھڑک اٹھا۔ ہرچند کہ یہ جذبہ ہر محل و مقام میں محمود نہیں لیکن باعزت و شریف طبائع کے اندر یہ ایسا فطری جذبہ ہے کہ ایسے مواقع پر اس کا دبا رہنا نہایت ہی مشکل ہے۔ پس جیسا کہ میاں بیوی کی باہمی زندگی میں عام طور پر ہوتا ہے یہ دونوں بیویاں بھی آپ سے روٹھ گئیں۔ انھوں نے خیال کیا کہ یہ آپ کے نجی تعلقات کا ایک معاملہ ہے جس میں انکو اپنی خودداری کے اظہار کا پورا حق ہے۔ اسکو دین سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ ہم اس غیرت و خودداری کو بھی یاد رکھیں جو عرب کی فطرت کا خاص جوہر تھی اور جس کی وجہ سے ان کیلئے کسی کی اطاعت سے زیادہ دشوار بات کوئی اور بات نہ تھی جس نے ایک جذبہ کی حد سے گذر کر ان کی طبیعت ثانیہ کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور ان کے اکثر اخلاقی محاسن کا سرچشمہ تھی۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ پیغمبر کی وابستگی تمہارے ساتھ ایک بالکل مختلف حالت رکھتی ہے۔ یہ اس کی طرف سے سراسر شفقت و مہربانی ہے۔ اس کے لئے اللہ کا رشتہ کیا کم ہے کہ وہ کسی اور رشتہ میں طمانیت ڈھونڈھے۔ اس کی مجلس ہر وقت روح القدس، مومنین صالحین اور ملائکہ سے معمور ہے۔ پس تم اگر اس سے روٹھ جاؤ تو اس سے تمہارے ہی دل اجڑ جائیں گے اس کی بزم کی رونق پھیکی نہیں پڑ سکتی۔ اور پھر واضح لفظوں میں بتا دیا کہ کسی امر معروف میں پیغمبر سے اعراض درحقیقت اللہ ہی سے اعراض کے ہم معنی ہے اس لئے ضرور ہے کہ تم توبہ کرو۔





پھر پانچویں آیت نے اس دینی شرف و تقویٰ سے تعرض کیا ہے، جس کا احساس ان دونوں بیویوں کو ہو سکتا تھا۔ اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے اہل بیت خود چنے ہیں اور اپنے فضل و حکمت سے ان کو عمدہ اخلاق سے آراستہ فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ الطیبٰت للطیبین والطیبون للطیبٰت۔ نیز فرمایا ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً۔ پس ان کو حق نہیں ہے کہ اپنے فضائل پر فخر کریں۔ یہ روشنی جو ان کو حاصل ہے نبی کے فیض صحبت سے حاصل ہے۔ اگر پیغمبر ان کو چھوڑ دے اور اپنے لئے دوسری بیویاں پسند کرے تو بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے اخلاق و فضائل میں ان سے برتر ہوں۔ پس ضروری ہے کہ وہ اپنے اس دینی فضیلت کے سرچشمہ کو سمجھیں اور اس کی اطاعت و محبت کے لئے ان کے دل جھک جائیں اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو ان کے لئے بیگانہ نہیں ہے، اس کی تڑپ خود ان کے اندر موجود ہے۔ کیونکہ محبت کا اصل مصدر درحقیقت حیا ہے۔ اور وہ غیرت و حمیت جو میاں بیوی کے درمیان ابھرتی ہے اس میں خفگی اور بے پروائی محض اوپر کا پردہ ہے۔ اسکے باطن میں محبت کی بے قراریوں کے چشمے ابلتے ہیں۔ ہمارے نزدیک معاملہ کی اصل حقیقت یہی تھی۔ بارہویں فصل میں ہم نے اسکو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ہرچند کہ اس واقعہ کا تعلق صرف دو ہی بیویوں سے تھا لیکن اس آیت میں جنہیں تنبیہ فرمائی گئی ہے، صیغہ جمع کا استعمال ہوا ہے تاکہ ایک طرف نصیحت میں عموم کا پہلو پیدا ہو اور دوسری طرف سرزنش کی شدت کچھ ہلکی ہو جائے۔

اس واقعہ سے بھی ہم کو بہت سے ایسے سبق حاصل ہوتے ہیں جو خانگی زندگی کی اصلاح کی بنیاد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اصل چیز ہے مگر احتساب سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ تدبیر منزل، جو تمدنی زندگی کی بنیاد ہے، اس کی معتدل راہ یہی ہے۔ خانگی زندگی کا بگاڑ اور میاں بیوی کے تعلقات کی خرابی ملک کی خرابی کا پیش خیمہ ہے۔ اس سے ان قوانین کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے جو خانگی زندگی

کی اصلاح و درستگی کے لئے اسلام نے بنائے ہیں۔ اب ہم سورہ کے شان نزول پر اس پہلو سے غور کرتے ہیں۔

## آیات (۱ - ۵) کا شان نزول

### ایک کلی حقیقت

۱۰۔ اس حقیقت سے ہر مسلمان واقف ہے کہ اسلام یہودیت کی سختی اور نصرانیت کی نرمی کے بین بین ہے۔ یہ کلی حقیقت اس درجہ اعتدال کے سمجھنے کی طرف رہبری کرتی ہے جو اسلام نے ہماری شریعت کے اکثر جزئیات میں ملحوظ رکھی ہے۔ یہاں ہم اس معاملہ کے اتنے حصہ پر غور کرنا چاہتے ہیں جتنا مذکورہ واقعہ سے متعلق ہے۔

یہ قطعی ہے کہ یہود کی شریعت اور اس کے تمام قوانین و احکام عورتوں کے لئے نہایت سخت اور معاشرتی میزان میں ان کے رتبہ کو ہلکا کرنے والے تھے۔ اس کے بالکل برعکس نصاریٰ نے جیسا ہم اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں بیان کرچکے ہیں، عورتوں کے باب میں انتہائی نرمی کی راہ اختیار کی۔ یہ دونوں راہیں افراط و تفریط کی راہیں تھیں جو اکثر ایک ہی نتیجہ تک رہبری کرتی ہیں۔ بھلائی اور بہتری کی راہ صرف اعتدال اور میانہ روی کی راہ ہے۔

ان معاملات میں عربوں کا رجحان اس سے بالکل مختلف راہ پر پڑ چکا تھا۔ وہاں حقوق کے بارہ میں ایک مستقل کشمکش اور آویزش جاری تھی۔ عورت اور مرد دونوں زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کرلینا چاہتے تھے۔ اور چونکہ شرافت و حمیت عربی خون کا اصل جوہر تھا جس کی وجہ سے کمزوروں کو دبانا وہ خلاف شان سمجھتے تھے اس لئے عورتوں کو اپنی طبعی کمزوری کے باوجود موقع تھا کہ اس طلب حقوق کی جنگ میں ان سے نبرد آزمائی کرسکیں۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وہاں کوئی متوازن حالت قائم نہیں تھی۔





ایک مستمر کشاکش کی حالت تھی جس میں کبھی مرد فتحیاب ہوتے تھے کبھی عورت جن لوگوں نے جاہلیت کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا ہے وہ اس امر واقعہ کا انکار نہیں کرسکتے۔ امرا القیس عورتوں کے بارہ میں کہتا ہے۔

وانک لم یفخر علیک کفاخر ضعیف    ولم یغلبک مثل مغلب

ایک کمزور فخر کرنیوالے سے زیادہ تمھارے مقابلہ میں کوئی فخر نہیں کرسکتا اور ایک بار بار کے شکست خوردہ سے زیادہ تمھارے اوپر کسی کا غلبہ سخت نہیں ہوسکتا۔

اس میں امرا القیس نے عورتوں کے لئے مغلّب (جس نے بار بار شکست کھائی ہو) کا لفظ استعمال کیا ہے جس اس جنگ و نزاع کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو عورتوں اور مردوں کے درمیان برپا تھی۔

مکہ میں قریش کا یہی حال تھا۔ وہ عرب کی اصلی طبیعت کے نمائندے تھے۔ ان کے ہاں عورت کا رتبہ بین بین تھا۔ اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کبھی کبھی حالت غیر متوازن بھی ہوجاتی تھی۔ لیکن جب یہ لوگ یثرب (مدینہ) پہنچے تو وہاں یہ حالت یکسر منقلب ہوگئی۔ وہاں یہود و نصاریٰ بکثرت آباد تھے۔ ان میں سے بہت سے نصاریٰ اسلام لائے اور ان کی عورتوں کا میل مسلمان عورتوں سے ہوا۔ اس میل نے قریش کی عورتوں پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر بن الخطابؓ سے اسی واقعہ کے سلسلہ میں روایت کرتے ہیں کہ "ہم قریش کے لوگوں کا حال یہ تھا کہ مرد عورتوں پر غالب تھے لیکن جب ہم مدینہ آئے تو ہم نے یہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ ان کی عورتیں ان کے مردوں پر غالب ہیں۔ ان عورتوں کے ساتھ جب ہماری عورتوں کا میل جول ہوا تو ہماری عورتیں بھی مردوں کے مقابلہ میں دلیر ہوگئیں۔"

یہ حالت متقاضی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ عورتوں کے حقوق اور ان کے فرائض دونوں تفصیل کے ساتھ بیان فرمادے۔ اس طرح تدبیر منزل سے متعلق بیشتر بنیادی قوانین کے نزول کے لئے بہترین سازگار ساعت تقدیر الٰہی سے ظہور میں آگئی۔ چنانچہ سورہ نساء نازل ہوئی جس میں میراث و نکاح وغیرہ کے

احکام بیان ہوئے اور جو عورتوں کا درجہ متعین کرنے میں ایک قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح عورتوں سے متعلق بعض احکام سورہ بقرہ میں نازل ہوئے جن کی رو سے عورتوں کو بعض ایسے بنیادی حقوق حاصل ہوئے جو اختلاف و نزاع کے وقت ان کے حقوق و فرائض کی تعیین میں اساس کا کام دے سکیں اور ناانصافی و حق تلفی کے مواقع باقی نہ رہیں۔ یہی وہ اصل مصلحت ہے جو شرائع کی تفصیل کی متقضی ہوئی ہے۔ نصاریٰ کی گمراہی کی ایک وجہ ان کی شریعت کا اجمال و ابہام ہے۔ اجمال اسی وقت تک موزوں ہوتا ہے جب تک قوم کے حالات و اخلاق درست ہوں، مگر جب اخلاق بگڑ جاتے ہیں تفصیل ناگزیر ہو جاتی ہے اور ایسی تفصیل جو بدلنے والے حالات کا ساتھ دے سکے۔

علاوہ ازیں سورہ نور نازل ہوئی جو وسط قرآن میں ہے اور سورہ نساء اور احزاب دونوں کناروں پر ہیں۔ پھر اس سورہ میں بھی جس کا نزول ایک خاص واقعہ کے لئے مقدر تھا، اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ تمام ذمہ داریاں بتائیں جو ہمارے اہل و عیال سے متعلق ہمارے اوپر عاید ہوتی ہیں اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ ہم کو احتساب کی سخت گیری کے ساتھ ساتھ احسان اور رفق و ملاطفت کی تعلیم فرمائی اور ان تمام تفصیلات نے عورتوں سے متعلق حقوق و فرائض کے تمام گوشوں کو اس طرح واضح کر دیا کہ کوئی بات ہمارے لئے مبہم و مجمل نہیں رہ گئی جیسا کہ نصاریٰ کے ہاں مجمل ہے کہ وہ اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکتے کہ عورتوں کو ان پر اختیار حاصل ہے یا ان کو عورتوں پر اختیار حاصل ہے۔ ہم "الرجال قوامون علی النساء" کی تفسیر میں اس امر کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

پھر یہاں ایک اور امر قابل غور ہے۔ یہ سورہ اپنی ماقبل سورہ کے ساتھ احکام کی آخری سورہ ہے اور بقرہ احکام کی اولین سورہ ہے۔ پھر سورہ نور وسط میں ہے اور نساء اور احزاب دونوں کناروں پر ہیں۔ اس سے اس اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے جو قرآن نے عورتوں کے حقوق اور ان کی اصلاح کے معاملہ میں اختیار کیا ہے اور یہ اہتمام اس دین کامل کی خصوصیات میں سے ہے۔





اور ایک بنیادی حقیقت ہو [illegible] سا میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور جس کی طرف اس سورہ میں اور قرآن کے دوسرے مقامات میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ ان معاملات سے متعلق تمام قوانین و احکام کی بنا اس امر پر ہے کہ ہم سب ایک ہی نفس کے اجزاء ہیں پس اگر ہم اپنے حالات کی ٹھیک ٹھیک اصلاح کر لیں تو ہم گویا ایک جسم و جان کی طرح ہو جائیں گے۔ اس اعتبار سے مردوں کا اقتدار عورتوں پر کوئی ظلم و تعدی اور قہر و جبر نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسرے کی اسی طرح خدمت و اعانت ہے جس طرح ایک جسم کے مختلف اعضاء باہمدگر کرتے ہیں۔ اس نکتہ کی پوری تفصیل "خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منہا زوجہا" کی تفسیر کے ذیل ہم کر چکے ہیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(باقی)

# تفسیر سورہ فیل

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورہ فیل کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی ہر فصل ایک مستقل کتاب ہے اور واقعہ فیل کی اصل حقیقت اس کتاب کی اشاعت سے پہلے بالکل مجہول تھی۔ علامہ فراہیؒ نے کلام عرب کی مدد سے واقعہ کی تمام تفصیلات فراہم کر کے تمام تاریخی غلطیوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ واقعہ طیر کو بھی عجائب پرستی نے بالکل دوسرا رنگ دے دیا تھا۔ مولانا نے اس کے متعلق بھی عینی شاہدوں کی شہادتیں جمع کر کے اس کی اصل حقیقت آشکارا کر دی ہے اور اسی سلسلہ میں رمی جمرات اور حج کے دوسرے مراسم کے اسرار و حکم نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ عمدہ

حجم ۱۱۲ صفحے۔ قیمت:۔ ۸/ آٹھ آنے۔

منیجر

# ذبیح کون ہے؟

(۱۳)

## ابن جریر رحمہ اللہ کے دلائل

۲۴ - ابن جریر رحمہ اللہ فریقین کے اقوال و روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"قرآن کی دلالت، جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ وہ حضرت اسحٰقؑ کے ذبیح ہونے کو متعلق ہے، ہمارے نزدیک زیادہ قرینِ صواب ہے۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر اپنی بیوی سارہ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت فرمائی ہے ان کی اسوقت کی دعا قرآن نے ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ قال انی ذاهب الی ربی سیهدین۔ رب هب لی من الصالحین۔ (کہا میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤں گا وہ میری رہبری فرمائے گا۔ پروردگار مجھے صالح اولاد بخش) اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ نہ تو حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ سے آشنا ہیں اور نہ وہ حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں ہوئی ہیں۔ پھر اسی سے متصل اللہ تعالیٰ نے اس قبولیت کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی دعا کو حاصل ہوئی اور ان کو ایک بردبار بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دی۔ پھر ان کے رویا کا ذکر فرمایا کہ جب وہ بیٹا ان کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو وہ اس کو ذبح کر رہے ہیں۔"

یہ ابن جریر رحمہ اللہ کی پہلی دلیل ہے، اس کے بعد وہ اسی سے متصل اپنی دوسری دلیل بیان کرتے ہیں۔





"قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تمام جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اگر کسی بیٹے کی بشارت دی ہے تو وہ حضرت اسحٰق ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ وامرأته قائمة فضحکت فبشرناها باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب (اور اس کی بیوی کھڑی تھی پس وہ ہنسی پس ہم نے اسحٰق کی خوشخبری دی اور اسحاق سے یعقوب کی) دوسری جگہ ہے۔ فاوجس منهم خیفة قالوا لا تخف وبشروه بغلام علیم۔ فاقبلت امرأته فی صرة فصکت وجهها وقالت عجوز عقیم۔ اسی طرح جہاں کہیں بھی حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی خوشخبری دی ہے تو وہ خوشخبری ان کی زوجہ سارہ کے بطن سے بیٹے کی ولادت کی ہے۔ پس ضروری ہے کہ قرآن مجید کے دوسرے نظائر پر قیاس کر کے فبشرناه بغلام حلیم میں بھی بشارت کا تعلق اسی بیٹے سے سمجھا جائے جو سارہ کے بطن سے پیدا ہوا۔"

یہ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کی دوسری دلیل ہے۔ پھر اسی سے متصل انھوں نے مخالفین کے بعض اقوال کی تردید کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب کی خوشخبری بھی پہلے سے دیدی تو یہ بات اس بات سے مانع ہے کہ وہ ان کے ذبح کا حکم دیدے۔ لیکن یہ اعتراض ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ حضرت اسحٰقؑ کے ذبح کا حکم اسوقت ہوا ہے جبکہ حضرت اسحٰقؑ باپ کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچ چکے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت یعقوب کی ولادت ذبح کے حکم سے پہلے ہو چکی ہو۔ اسی طرح جو لوگ اس سے دلیل پکڑتے ہیں کہ انھوں نے مینڈھے کے سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے دیکھے تو یہ بات بھی کچھ قوت نہیں رکھتی کیونکہ یہ کچھ محال نہیں ہے کہ سینگ شام سے لا کر کعبہ میں لٹکا دیے جائیں۔"

یہ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے استدلال کا خلاصہ ہے جو ہم نے ان کے لفظوں میں پیش کر دیا ہے۔ اب ہم اس استدلال کی قوت پر ناقدانہ غور کرنا چاہتے ہیں۔

## ابن جریر رحمہ اللہ کے دلائل پر تنقید

۲۵۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کی دو دلیلیں بیان کی ہیں۔ اور ساتھ ہی دو اعتراضوں کے جوابات دئے ہیں۔ یہ سب چار باتیں ہوئیں اب ہم ان چاروں پر بالترتیب نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے پہلی دلیل دعا اور بشارت کے اتصال سے پیدا کی ہے۔ انکا خیال ہے کہ چونکہ بیٹے کے لئے ابراہیمؑ نے دعا اس وقت کی ہے جبکہ ہاجرہ سے ابھی واقف بھی نہیں ہوئے ہیں اس لئے لازماً یہ دعا سارہؓ سے اولاد کے لئے تھی اور چونکہ بیٹے کی بشارت دعا کے ذکر سے بالکل متصل ہے اس لئے ناگزیر ہے کہ یہ بشارت حضرت سارہؓ کے بطن سے بیٹے کی ولادت کی ہو۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا حضرت ہاجرہ سے ناآشنا ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ ان کی دعا حضرت سارہؓ سے اولاد کے لئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے بغیر کسی تعیین و تشخیص کے اولاد کے لئے عام دعا کی ہو۔ اور یہ تو حضرت ابراہیمؑ کے لئے کچھ زیبا بھی نہیں کہ وہ دعا میں ایک متعین صورت اللہ تعالیٰ کے سامنے تجویز کریں اور مخصوص طور پر حضرت سارہؓ کے بطن سے اولاد کی تمنا کریں۔

ہمارے اس خیال کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کو اولاد دی تو اس کو انھوں نے اپنی دعا کی قبولیت سمجھکر اس کا نام اسمٰعیل (یعنی اللہ نے اس کی دعا سنی) رکھا۔ جیسا کہ خود قرآن کے اشارات سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ الحمد للہ الذی





وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق ان ربی لسمیع الدعاء (اس خدا کے لئے شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق بخشے، بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے) اگر کوئی دعا خاص طور پر حضرت سارہؓ کے بطن سے اولاد کے لئے ہوتی تو لازماً وہ یہ نام (اسمٰعیلؑ) حضرت اسحٰق کا رکھتے۔

بہر حال علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کا یہ استدلال غلط ہے اور اس استدلال کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد وہ استدلال اپنی جگہ پر پھر قائم ہو جاتا ہے کہ دعا اور بشارت کا اتصال اس امر کا ثبوت ہے کہ جس بیٹے کا ذکر دعا سے متصل ہوا ہے اس سے مراد وہی بیٹا ہے جو پہلے پیدا ہوا جیسا کہ ہم بیسویں فصل میں اور اس کے بعد کی فصلوں میں بیان کر چکے ہیں اور جیسا کہ فصل ۲۳ کی دوسری روایت میں ہم دیکھ چکے ہیں یہی محمد بن کعب قرظیؒ کی دلیل ہے جو آیات قرآن کی بنا پر انھوں نے قائم کی ہے۔

۲۔ علامہ ابن جریرؒ کی دوسری دلیل نظائر کی بنا پر ہے۔ حضرت ابراہیم کے لئے بیٹے کی جتنی بشارتیں اس مقام کے علاوہ مذکور ہیں سب حضرت اسحاقؑ کے لئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ بشارت بھی ان ہی سے متعلق ہو۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ بات کسی حیثیت سے بھی ضروری نہیں۔ کسی ایک بات کا متعدد مقامات میں بیان ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ ایک دوسری بات ایک دوسرے مقام میں نہ بیان کی جائے۔ اور پھر نظائر کی بنا پر جو دلیل قائم ہوتی ہے اس سے زیادہ ایک احتمال قائم ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی دوسری نظیر یا دلیل اس کے مخالف نہ پڑے اور یہاں معلوم ہے کہ بہت سے نظائر اور دلائل اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پچھلی فصلوں میں بیان کر آئے ہیں۔ از انجملہ ایک نہایت کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ حضرت اسحاق کی بشارت پورے قرآن میں، کہیں بھی نہ تو واقعہ ذبح کے بیان کے ساتھ لگی ہوئی مذکور ہے اور نہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے متصل۔ پس یہ بشارت ان تمام بشارتوں سے ایک بالکل مختلف حالت رکھتی ہے جو حضرت اسحٰقؑ

کے بارہ میں وارد ہیں۔ پھر موقع زیر بحث میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت کا اس کے بعد آنا اس امر کا نہایت قوی ثبوت ہے کہ پہلی بشارت دوسری بشارت سے بالکل مختلف ہے۔ پس علامہ ابن جریرؒ نے نظیر کی بنا پر جو دلیل قائم کی، اس سے زیادہ قوی نظیر اس کی مخالفت کر رہی ہے۔

۳۔ جو لوگ اس بنا پر حضرت اسحاقؑ کا ذبیح ہونا ممتنع سمجھتے ہیں کہ ان کی ولادت کی بشارت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت یعقوب کی ولادت کی بشارت بھی دی ان کا جواب علامہ ابن جریرؒ یہ دیتے ہیں کہ "یہ ممکن ہے کہ حضرت یعقوب اسوقت سے پہلے پیدا ہو چکے ہوں جبکہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاق کے ذبح کا حکم ملا" لیکن ہمارے نزدیک علامہ ابن جریرؒ کا یہ جواب صحیح تسلیم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ ذبیح کا نوخیز اور کمسن ہونا تورات اور قرآن دونوں سے معلوم ہے اور اتنی بات فریقین میں متفق علیہ ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے بڑھاپے میں پیدا ہوئے ہیں، یا تو حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد یا اس سے کچھ پہلے۔ ہم اس مسئلہ پر دسویں فصل میں بحث کر چکے ہیں جس کو تفصیل کی خواہش ہو اس فصل کو پڑھ لے۔ بلکہ ہمارا دعوی تو اس سے بھی ایک قدم آگے ہے۔ ہم نے تو یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ امتحان حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے پیش آیا اور اس کے وجوہ کی تفصیل چھٹی، گیارہویں، اور تیسویں فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ بہرحال یہ جواب کہ حضرت اسحٰق کی قربانی حضرت یعقوب کی ولادت کے بعد ہوئی ہوگی نہایت لغو اور بے معنی ہے۔

۴۔ بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے مینڈھے کی سینگوں کا خانۂ کعبہ میں دیکھا جانا بیان ہوا ہے۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ "یہ ناممکن نہیں ہے کہ سینگ شام سے لاکر خانۂ کعبہ میں رکھ دیئے گئے ہوں"۔ ہمارے نزدیک یہ سینگ والی روایت قابل اعتماد نہیں۔ قرآن میں اس کی تائید میں کوئی اشارہ نہیں ہے۔ پس اس کا ثبوت اور





عدم ثبوت دونوں ہمارے نزدیک یکساں ہے۔ اور بہتر تھا کہ اس سے سرے سے تعرض ہی نہ کیا جاتا لیکن جب علامہ ابن جریرؒ نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے تو ضروری ہے کہ ان کے جواب کی نوعیت پر غور کیا جائے۔

ہر چند کہ امکان عقلی کا دائرہ نہایت وسیع ہے لیکن قوموں کے حالات و عادات کے اعتبار سے یہ بات نہایت مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ کسی قوم کے قدیم آثار مقدسہ اتنی سہولت کے ساتھ اس کے پاس سے منتقل ہو کر دوسری قوم کے پاس چلے جائیں اور وہ اس پر راضی ہو جائے۔ اس طرح کے معاملات پر دنیا میں بڑی بڑی خونریز جنگیں برپا ہو چکی ہیں اور قبل از اسلام کی تاریخ میں ہم کو کوئی ایسا واقعہ نہیں معلوم جبکہ عربوں نے یہود و نصاریٰ کو مغلوب کیا ہو کہ اس سلسلہ میں یہ مقدس یادگار ان کے ہاتھ آئی ہو۔ اگر اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہوتا تو یقیناً یہ دونوں قوموں کی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور مشہور واقعہ ہوتا اور بچہ بچہ اس کو جانتا۔ پس ہمارے نزدیک علامہ ابن جریر کی یہ بات بھی بالکل بے معنی ہے۔

## تفسیر کبیر اور کشاف کے بیانات کا خلاصہ اور بعض ضروری تنبیہات

۳۶۔ امام رازی نے علامہ زمخشری کے اصول پر دونوں فریق کے دلائل بیان کر دیے ہیں۔ ہر چند کشاف کی عبارت زیادہ مختصر اور واضح ہے لیکن چونکہ امام رازی کی تفسیر شہرت و مقبولیت کے اعتبار سے زیادہ اونچی ہے اس لئے ہم نے اسی سے نقل کرنا پسند کیا۔ امام رازی ان لوگوں کے نام ذکر کرنے کے بعد جن کی طرف دونوں قول منسوب کئے گئے ہیں فرماتے ہیں۔

"جو لوگ قائل ہیں کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ انا ابن الذبیحین (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) اور ایک مرتبہ

ایک اعرابی نے آپ کو ابن الذبیحین کہکر مخاطب کیا تو آپ مسکرائے۔ جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا عبد المطلب نے جب چاہ زمزم کھودنے کا ارادہ کیا تو منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کام کو آسان کیا تو وہ اپنے ایک بیٹے کی قربانی کریں گے۔ جب یہ کام حسب خواہش پورا ہوگیا اور وقت آیا کہ نذر پوری کریں اور بیٹوں پر قرعہ ڈالا تو قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا۔ لیکن ان کے ماموں نے اس معاملہ میں رکاوٹ ڈالی کہ عبد اللہ کے بدلہ سو اونٹوں کا فدیہ دیدیں چنانچہ عبد المطلب نے سو اونٹ فدیہ میں دیدیئے۔ اور دوسرے ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ (ابن جریرؒ نے اس روایت کو ذکر کیا ہے اور کسی قدر اختلاف کے ساتھ ابن کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے لیکن اسکی سند میں ضعف کا پتہ دیا ہے۔ اگر روایت صحیح ہوتی تو یہ اس باب میں بالکل قطعی تھی کیونکہ یہ اپنے مفہوم میں بالکل صریح ہے)

۲۔ اصمعی سے روایت ہے کہ میں نے ابو عمرو بن علاء سے ذبیح کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا "اے اصمعی تمہاری عقل کہاں ہے! اسحٰق مکہ میں کب تھے! مکہ میں تو اسمٰعیلؑ تھے۔ ان ہی نے اپنے باپ کے ساتھ مکہ بیت اللہ کی تعمیر کی اور قربان گاہ مکہ میں ہے۔"

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیلؑ کے صبر کی تعریف فرمائی ہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لئے اس وصف کا ذکر نہیں کیا۔ واسمٰعیل والیسع وذا الکفل کل من الصابرین۔ یقیناً یہ صبر وہی صبر ہے جو ذبح کے وقت ظاہر ہوا۔ نیز ان کی تعریف میں صادق وعدہ ہونا بھی وارد ہے انہ کان صادق الوعد اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے باپ نے ان کی طرف سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ وہ ذبح کے امتحان میں ثابت قدم ہوں گے اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا۔ (اس میں دو مستقل دلیلیں بیان ہوئی ہیں)

۴۔ قرآن مجید میں وارد ہے۔ فبشرناہ باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب۔ (پس ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی اور اسحٰق سے یعقوب کی) اب اگر ذبیح حضرت اسحٰق ہیں تو یا تو ان کے ذبح





کا حکم حضرت یعقوب کی ولادت سے پہلے ہوا ہے یا ان کی ولادت کے بعد۔ ولادت سے پہلے ذبح کا حکم ہونا علانیہ باطل ہے کیونکہ جب حضرت اسحٰق کی بشارت کے ساتھ ان سے یعقوب کی ولادت کی بھی بشارت دی گئی۔ تو حضرت یعقوب کی ولادت سے پہلے حضرت اسحٰقؑ کے ذبح کا حکم دینا کسی طرح جائز نہیں ورنہ اس سے اس وعدہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو من وراء اسحٰق یعقوب میں کیا گیا ہے۔ اور ولادت کے بعد ذبح کا حکم دینا یوں باطل ہے کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ فلما بلغ معہ السعی قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک (پس جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا۔ کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیٹا جب دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا اور اس قابل ہوا کہ کچھ اپنے ہاتھوں کر دھر سکے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اس کے ذبح کا حکم دیا۔ اور یہ بیان اس امر کے صریحاً منافی ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے زمانہ میں پیش آئے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت اسحٰقؑ کا ذبیح ہونا کسی طرح ثابت نہیں۔ (ہر چند کہ اس بیان میں غیر ضروری اطناب ہے لیکن دلیل کا پہلو واضح ہے۔)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن مجید میں منقول ہے کہ انھوں نے ہجرت کے وقت فرمایا کہ انی ذاھب الی ربی سیھدین (میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤں گا وہ میری رہبری فرمائیگا) پھر اللہ تعالیٰ سے ایک بیٹے کے لئے دعا کی جو دیار غربت میں دلبستگی کا ذریعہ ہو۔ رب ھب لی من الصالحین (پروردگار مجھے صالح بیٹا بخش) یہ دعا اسی حالت میں موزوں ہو سکتی ہے جب ان کو کوئی اولاد نہ ملی ہو۔ کیونکہ اگر ایک بیٹا ان کو مل چکا ہوتا تو ایک بیٹا وہ نہ مانگتے۔ حاصل کی طلب محال ہے۔ ھب لی من الصالحین ایک بیٹے کی طلب کے مفہوم کے لئے بالکل واضح ہے۔ لفظ من تبعیض کے لئے ہے اور تبعیضیت کا ادنیٰ درجہ ایک ہے۔ پس من الصالحین ایک بیٹے کی طلب کا فائدہ دیتا ہے۔ پس یہ سوال اسی حالت میں موزوں ہو سکتا ہے جب ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ دعا پہلے بیٹے کے مانگنے کے وقت کی ہے اور اس امر پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ اسمٰعیلؑ علیہ السلام عمر میں حضرت اسحٰقؑ سے بڑے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس دعا میں مراد حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ پھر اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ذبح کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ پس لازماً ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں۔

(اس بیان کا الجھاؤ اور ضعف استدلال واضح ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے یہ بات نکلے کہ انھوں نے ایک بیٹے کے لئے دعا کی تھی۔ لیکن اس میں دلیل کا جو پہلو ہے وہ نمایاں ہے اور ہم اس کو بیسویں اور اکیسویں فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ سو وہاں دیکھنا چاہئے)

۲- متعدد روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ میں مینڈھے کے سینگ موجود تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کا واقعہ مکہ میں پیش آیا اگر ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہوتے تو ذبح کا واقعہ شام میں پیش آتا۔

جو لوگ مدعی ہیں کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں وہ دو دلیلیں بیان کرتے ہیں۔

۱- آیت کے اول و آخر سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں۔ آیت کے شروع میں حضرت ابراہیمؑ کی زبانی منقول ہے انی ذاهب الی ربی سیهدین۔ (میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں وہ میری رہبری فرمائے گا۔) علما کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد ہجرت ہے جو انھوں نے شام کی طرف فرمائی۔ پھر اس کے بعد ہے فبشرناه بغلام حلیم (پس ہم نے اس کو ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی) ضروری ہے کہ اس سے حضرت اسحٰقؑ مراد ہوں۔ پھر اس کے بعد ہے فلما بلغ معه السعی (پس جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا) یہ مقتضی ہے کہ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچ جانے والے بیٹے سے وہی بیٹا مراد ہو جو شام میں پیدا ہوا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت کے ابتدائی حصہ میں اس امر کا نہایت واضح ثبوت موجود ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں۔





یہی حال آیت کے آخری حصہ کا ہے۔ اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ قربان ہونے کا شرف حضرت اسحٰقؑ ہی کو حاصل ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وبشرناه باسحٰق نبیا من الصالحین (اور ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی جو نبی ہوگا نیکوکاروں میں سے) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کے نبی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ اب اس بشارت کا واقعہ ذبح کے بعد آنا چاہتا ہے کہ ان کی نبوت کی بشارت اس وجہ سے دی گئی ہو کہ انھوں نے وہ مصائب برداشت کئے جو ذبح کے سلسلہ میں پیش آئے۔ الغرض جیسا کہ ہم نے کہا، آیت کا شروع اور آخر دونوں حضرت اسحٰقؑ کے ذبیح ہونے کو چاہتا ہے۔

(علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کی پہلی دلیل یہی ہے اور اس میں جو کھلی ہوئی کمزوری ہے اسکو پینتیسویں [۳۵] فصل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس کو دیکھنا چاہئے)

۲- دوسری دلیل وہ مشہور خط ہے جو یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو لکھا جو یوں شروع ہوتا ہے: "من یعقوب اسرائیل نبی اللہ ابن اسحاق ذبیح اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ" (اس طرح کی روایات کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ فراہی) اس باب کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔ اور زجاجؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ بہتر جانتا ہے کہ دونوں میں کون ذبیح ہے۔"

اس مسئلہ پر امام رازیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ اوپر بیان ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے دونوں فریق کے دلائل بیان کر کے معاملہ کو ختم کر دیا ہے۔ ان دلیلوں کی جانچ پڑتال پر توجہ نہیں کی ہے اور نہ یہ کھولا ہے کہ وہ خود کس گروہ کے ساتھ ہیں۔ صاحب کشاف نے بھی یہی کیا ہے۔ لیکن ان کا عام قاعدہ یہ ہے کہ وہ جس مذہب کو پہلے بیان کرتے ہیں اور جس کے دلائل کو زیادہ پھیلا کر لکھتے ہیں وہ مذہب ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے۔

## علامہ ابن کثیرؒ کے بیانات کا خلاصہ

علامہ ابن کثیرؒ نے اس مسئلہ پر روایۃً و درایۃً دونوں طریقوں سے بحث کی ہے۔ اور اسمیں شبہ نہیں کہ وہ ان دونوں چیزوں میں اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے بعض مباحث کا خلاصہ ہم نے تیئسویں "۲۳" فصل میں دیا ہے۔ اب ہم ان کے وہ دلائل بیان کرتے ہیں جو انھوں نے قرآن اور تورات سے اخذ کئے ہیں اور جن سے علامہ ابن جریرؒ کے توہمات دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فبشرناہ بغلام حلیم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہاں غلام سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ یہی پہلے بیٹے ہیں جنکی پیدائش کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دی گئی۔ مسلمان اور اہل کتاب دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ یہ حضرت اسحٰقؑ سے بڑے تھے۔ توریت سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸٦ برس کی تھی اور حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ نوے برس کے تھے۔ (یہاں تھوڑا سا تسامح ہوگیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ عمر اسوقت تھی جب حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوش خبری ان کو ملی ہے۔ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے وقت وہ سَو سال کے تھے جیسا کہ چھٹی فصل میں ہم بیان کر آئے ہیں۔) اہل کتاب کے یہاں یہ امر مسلّم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا اور توراۃ کے ایک نسخہ میں پہلوٹھی کے بیٹے کے الفاظ ہیں۔ اس موقع پر انھوں نے بالکل جھوٹ حضرت اسحٰقؑ کا نام ڈالدیا ہے حالانکہ یہ بات ان کی کتاب کے صریح بیانات کے قطعی خلاف ہے۔ حضرت اسحٰقؑ کا نام داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے باپ تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ عربوں کے باپ تھے۔ پس بربنائے حسد انھوں نے اپنی کتاب میں زیادتی کرکے اس میں تحریف کردی۔





انھوں نے "اکلوتے" کے معنی تحریف کرکے یہ کردیئے کہ "وہ جس کے سوا تیرے ساتھ کوئی اور نہیں" کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو مکہ پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ کھلی ہوئی تحریف ہے کیونکہ "اکلوتا" تو وہی ہوسکتا ہے جس کے سوا کوئی اور بیٹا نہ ہو۔ (ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ بیرسبع میں حضرت اسمٰعیلؑ ہی حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھے۔ یہانتک کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو قربان گاہ کی طرف لے گئے اور پھر وہیں بسایا۔ دیکھو فصل ۵) نیز یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ پہلوٹھی کے بیٹے کو جو قدر و عزت حاصل ہوتی ہے وہ بعد کی اولادوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ پس جانچ اور امتحان کے لئے مناسب یہی تھا کہ پہلوٹھی کے بیٹےؑ کو ذبح کا حکم دیا جاتا۔"

اس کے بعد علامہ ابن کثیرؒ ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو قائل ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں اور فرماتے ہیں:-

"ہمارے نزدیک یہ بات احبار یہود کے بیانات سے بغیر کسی بحث و حجت کے لے لی گئی ہے۔ اور یہ کتاب اپنی صاف شہادت دے رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ اس میں ایک غلام حلیم کی بشارت ہے۔ پھر یہ بیان ہے کہ وہ ذبیح ہے، پھر اس کے بعد ہے "وبشرناہ باسحٰق نبیا من الصالحین" اور جب ملائکہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی بشارت دی کہا "انا نبشرک بغلام علیم" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فبشرناہا باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب" یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق کی زندگی ہی میں حضرت اسحٰق کو اللہ تعالیٰ ایک بیٹا عنایت فرمائے گا جس کا نام یعقوب ہوگا جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی نسل بھی چلے گی۔ ایسی حالت میں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں یہ کسی طرح جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بالکل بچپنے کی حالت میں ان کے ذبح کا حکم دیدے کیونکہ وہ وعدہ فرما چکا ہے کہ اس بیٹے سے نسل برپا ہوگی۔"

پھر آگے چلکر فرماتے ہیں۔

"اور حضرت اسمٰعیلؑ کی صفت یہاں حلم بیان فرمائی ہے کیونکہ موقع کے لحاظ سے مناسب یہی ہے۔ اور "فلما بلغ معہ السعی" یعنی جب سیانے ہوئے اور اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگے"۔

پھر فرماتے ہیں۔

"یہ بات انھوں نے بیٹے کو بھی جتادی تاکہ طاعت الٰہی اور طاعت پدر میں بیٹے کی استقامت اور شجاعت و عزیمت کا بھی امتحان لے لیں۔ ادھر سے جواب ملا "یا ابت افعل ما تؤمر" یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے ذبح کا جو حکم آپ کو دیا ہے وہ پورا کیجئے۔ "ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین" یعنی اس پر ثابت قدم رہوں گا۔ اور اس کے صلہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے امید کروں گا۔ پھر پوری استقامت کے ساتھ اپنے اس وعدہ کی سچائی ثابت کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا ذکر فرمایا۔ "واذکر فی الکتاب اسمٰعیل انہ کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا وکان یامر اہلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وکان عند ربہ مرضیا"۔

اس کے بعد علامہ ابن جریرؒ کی دلیل کے ماخذ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:-

"اسی پر انھی تفسیر میں انھوں نے اعتماد کیا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی مذہب نہیں ہے۔ یہ اصل حقیقت سے بہت دور ہے۔ البتہ وہ استدلال جس سے محمد بن کعب قرظی اس بات پر دلیل لائے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں انتہا سقیم اور نہایت مضطرب ہے"۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ظاہری دلائل کا تعلق ہے علامہ ابن کثیرؒ نے ان میں سے اکثر بیان کر دیئے ہیں۔ اور متاخرین میں کوئی شخص بھی ان سے آگے نہیں جا سکا اس لئے ان کے اقوال کے استقصاء کی چنداں ضرورت نہیں البتہ اگلی فصل میں ہم بعض مشاہیر متاخرین کے اقوال سے اسی حد تک تعرض کریں گے جس حد تک اس باب میں ان کی رائے ظاہر کرنے کے لئے کافی ہو۔

(باقی)





# والنجم اذا ہوی

از

جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی

آج کی صحبت میں مختصراً ہم والنجم کی قسم پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے متعلق سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "والنجم" سے کیا مراد ہے؟ اس سوال کے جو جواب ہمارے مفسرین کرام دیتے ہیں، پہلے ہم مختصراً ان کو بیان کریں گے۔

مفسرین کے جوابات مختلف ہیں۔

۱- بعض لوگ کہتے ہیں نجم سے مراد ثریا ہے۔

۲- بعضوں کے نزدیک اس سے عام ستارے مراد ہیں۔

۳- بعضوں کے نزدیک اس سے ٹوٹنے والے ستارے مراد ہیں۔

۴- بعض حضرات اس سے نجوم قرآن مراد لیتے ہیں۔

۵- بعض اس سے نباتات مراد لیتے ہیں۔

ان میں سے پہلا اور دوسرا قول زیادہ مشہور ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ لغت اور کلام عرب کے استعمالات سے انہی دونوں کی تائید ہوتی ہے۔ بقیہ اقوال تو بالکل غیر مستند ہیں یا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بعض غریب شواہد سے ان میں سے بعض کی تائید ہو سکتی ہے اور تاویل قرآن میں غریب اقوال و شواہد سے استناد اہل علم کے نزدیک جائز نہیں۔

پس مقابلۂ ترجیح صرف پہلے دو قولوں میں ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک مرجح قول دُوسرا ہے اور اس کے وجوہ ہیں۔ اور یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ تیسرا قول دوسرے قول کے عموم میں داخل ہے۔

(۱) جہاں تک استعمال کا تعلق ہے۔ والنجم جنس نجوم کے لئے عام طور پر مستعمل ہے۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وکان بعض اهل المعرفة بکلام — بصرہ کے بعض ماہرین لغت عرب
العرب من اهل البصرة یقول — کہتے تھے کہ والنجم سے عام
عنی بقوله "والنجم" والنجوم — ستارے مراد ہیں۔ لفظ واحد
وقال ذهب الى لفظ الواحد — ہے مگر معنی میں جمع
وهو فی معنی الجمیع — کے ہے

علامہ ابن جریرؒ نے اس قول کی تائید میں یہ شعر بھی پیش کیا ہے۔

فباتت تعد النجم فی مستحیرة — سریع بایدی الآکلین جمودها

ایک دوسرا شعر ہے

فبات یریه عرسه وبناته — وبت اریها النجم این مخافقه

ہم کلام عرب سے اس قول کی تائید میں اور شعر بھی پیش کر سکتے ہیں مگر چونکہ یہ امر مختلف فیہ نہیں ہے اس لئے زیادہ طوالت کی ضرورت نہیں۔

(۲) قرآن مجید میں 'والنجم' عام ستاروں ہی کے لئے آیا ہے۔ مثلاً

وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ — اور بہت سی علامتیں اور ستاروں سے بھی

۱۶۔ نحل — وہ رستہ معلوم کرتے ہیں۔

یہاں قطعی ہے کہ والنجم سے عام ستارے ہی مراد ہو سکتے ہیں، صرف ثریا کو نہیں مراد لگنے





کیونکہ اہتدار رستہ معلوم کرنا صرف ثریا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ خلق کو یہ فیض بہت سے ستاروں سے حاصل ہوتا ہے۔ عرب شعرا نے بہت سے شعروں میں 'ثریا' کا ذکر کیا ہے اور اس کے خواص و آثار کی طرف بھی اشارہ کئے ہیں لیکن جہاں تک مجھے علم ہے کسی شعر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اہتدار اس کی مخصوصات میں سے ہے۔ امرار القیس کا ایک شعر ہے۔

ودویة لا یهتدی لفلاتها — بعرفان اعلامٍ ولا ضوء کوکب

اس میں وہ 'اہتدار' کو بے تکلف عام کواکب و نجوم کا فیض قرار دیتا ہے اور امرار القیس کا کیا ذکر خود قرآن میں ہے۔ وهو الذی جعل لکم النجوم لتهتدوا بها فی ظلمات البر والبحر قد فصلنا الآیات لقوم یعلمون۔

سورہ رحمن کی آیت ہے

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ — اور ستارے اور شجر سجدہ کرتے ہیں۔

اس میں بھی والنجم عام ستاروں ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ شجر کا تقابل متقضی ہے کہ والنجم میں بھی عمومیت ہو۔ علاوہ ازیں قرآن میں سجود کی نسبت عام ستاروں کی طرف کی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے والنجم کے معنی یہاں نباتات کے لئے ہیں لیکن یہ قول غایت درجہ ضعیف اور ہمارے اصول تاویل کے بالکل خلاف ہے۔ یہاں ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔

سورہ طارق کی آیت بھی ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ، النَّجْمُ الثَّاقِبُ — اور تو کیا جانے کہ شب آہنگ کیا ہے؟ دمکتا ستارہ۔

ان شواہد سے یہ بات بالکل صاف ہے کہ قرآن مجید میں والنجم کا لفظ جنس نجوم کیلئے متعدد مقامات میں آیا ہے اور ایسے واضح قرائن کے ساتھ کہ کسی کے لئے گنجائش اختلاف نہیں۔

برعکس اس کے ایک شہادت بھی ایسی موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ قرآن مجید میں النجم خاص ثریا کے لئے استعمال ہوا ہے۔ پھر ایسی حالت میں والنجم کی قسم میں ثریا مراد لینے سے زیادہ اقرب، واضح اور مدلل بات یہ ہے کہ ہم اس سے جنس نجوم کو مراد لیں جیسا کہ سلف میں سے بعض اہل عربیت کا یہ مذہب ہے۔

یہاں تک ہم نے لفظ پر لغت اور استعمالات کی روشنی میں بحث کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ایک لفظ جس کا اطلاق مختلف معانی پر ہو سکتا ہو کلام میں اس کے صحیح معنی کی تعیین کا فیصلہ سیاق وسباق اور محل ومقام کے مقتضیات ومناسبات پر منحصر ہے۔ اور یہاں تو قسم ومقسم علیہ کی صورت ہونے کی وجہ سے گویا مدار فیصلہ مقسم علیہ پر ہے۔ لفظ کے مختلف استعمالات میں سے جو استعمال مقسم علیہ سے بالکل ٹھیک ٹھیک لگ جائے اور جس سے دونوں کے درمیان ایک واضح اور خوبصورت مناسبت نمایاں ہو جائے پس سمجھنا چاہیے کہ لفظ اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے۔

لیکن مقسم علیہ کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے سورہ نجم کا عمود (مضمون) واضح کر دیں۔

سورہ نجم ان سات سورتوں (از ق تا سورہ واقعہ) میں سے ایک ہے جو اثبات قرآن میں نازل ہوئی ہیں اور مختلف پہلوؤں سے قرآن کی حقانیت، برتری، پاکیزگی کی شہادت دے رہی ہیں (اس اجمال کو سمجھنے کے لئے علامہ فراہیؒ کی تفسیر سورہ ذاریات ملاحظہ فرمائیے) چنانچہ اس سورہ کے شروع وآخر میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اور بیچ بیچ باتیں عمود سے بظاہر بے تعلق نظر آتی ہیں وہ بھی عمود کے ساتھ وابستہ ہیں لیکن اس کی توضیح کے لئے ہم کو ایک لمبی بحث لکھنی پڑے گی جس کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں۔ یہاں شہادت اور دعویٰ یعنی قسم اور مقسم علیہ پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ ستاروں کے سقوط کو قرآن اور وحی اور پیغمبر صلعم کی





صداقت کی شہادت کے طور پر پیش کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ | ستاروں کی قسم جبکہ وہ جھکتے ہیں کہ تمھارا |
| صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ | ساتھی نہ بھٹکا نہ بہکا اور نہ اپنے جی سے |
| عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ | باتیں بناتا، یہ تو وحی ہے جو اس پر نازل |
| يُوحَىٰ ............ | ہوتی ہے ............ |
| ........ وَلَقَدْ رَأَىٰ مِنْ | ........ اور اس نے اپنے رب |
| آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝ | کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ |

ان آیات پر غور کیجیے، قرآن، جبریل امین اور آنحضرت صلعم کو ہر طرح کی لغزش، گمراہی، کھوٹ وغیرہ سے بری اور محفوظ بتایا گیا ہے۔ وحی کے ساتھ حضرت جبریل اور آنحضرت صلعم کا ذکر اس وجہ سے ہوا کہ ایک واسطہ وحی ہیں اور ایک مہبط وحی۔ پس وحی کی حقانیت اور صداقت اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتی جبکہ واسطہ اور مہبط کی قوت وحفاظت بھی واضح نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس سورہ میں ستاروں کے سقوط کی قسم کے بعد ان تینوں کا ذکر ایک ساتھ کیا اور اس طرح قرآن کی حقانیت و صداقت کی گواہی دی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ستاروں کے سقوط کو وحی، صاحب وحی اور حامل وحی کی صداقت سے کیا تعلق؟ مقدم الذکر بات موخر الذکر پر کیونکر دلیل وشہادت ہو سکتی ہے؟؟ یہ سوال ذرا ٹیڑھا ہے اس پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن میں اس کے نظائر تلاش کریں۔ اور ان کی روشنی میں اس مشکل کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

قرآن مجید میں ستاروں کے سقوط کی قسم کے ساتھ قرآن مجید کا ذکر دو تین جگہ آیا ہے، پہلے ہم ان آیات کو نقل کریں گے اور اس کے بعد ان کے قدر مشترک پر غور کر کے قسم اور مقسم علیہ کے باہمی تعلق

کی نوعیت کو معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہمارے سامنے سورہ واقعہ کی یہ آیات آتی ہیں۔ فرمایا۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ

پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے گرنے کی اور سمجھو تو یہ بہت ہی بڑی قسم ہے۔ کہ یہ قرآن بڑی قدر و منزلت کا قرآن ہے اور ایک محفوظ کتاب میں ہے۔ اس کو صرف پاک فرشتے ہی چھو سکتے ہیں۔ پروردگار عالم کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ کیا تم لوگ اس کلام سے منکر ہوتے ہو۔

پھر اس سے زیادہ تفصیل اور مطابقت کا پہلو لئے ہوئے سورہ تکویر کی آیات نمایاں ہوتی ہیں۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ

پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے، سیدھے چلتے دبک جانے والوں کی اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹ جائے اور صبح کی جب وہ سانس لے۔ بے شک یہ ایک باعزت فرستادہ کا قول ہے جو قوت والا اور تخت کے مالک کے پاس عزت والا ہے سب کا مانا ہوا اور معتبر ہے اور تمہارا ساتھی مجنون نہیں ہے اور اس نے اس کو دیکھا ہے آسمان کے کھلے کنارے میں اور وہ غیب کا بخیل (حریص) نہیں ہے اور یہ کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے۔





ان تینوں مقامات کا ایک دوسری کی نظیر اور مشابہ ہونا اس قدر واضح ہے کہ اس پر بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ ان تینوں میں ستاروں کی قسم ہے پھر ہر جگہ ان کے گرنے، غائب ہونے، پیچھے ہٹنے چھپ جانے کا ذکر ہے۔ مقسم علیہ الفاظ میں گو مختلف ہو مگر حقیقت کے اعتبار سے تینوں جگہوں میں ایک ہی ہے۔ قرآن کا باعزت، بلند اور ارواح خبیثہ کی دسترس سے بلند ہونا ہر جگہ مذکور ہے۔ ان تین میں سے دو مقامات میں حضرت جبریل کا طاقتور، مکرم، مطاع اور امین ہونا واضح لفظوں میں بیان ہوا ہے اور ایک جگہ اشارۃً اس کا ذکر ہوا ہے علاوہ ازیں دو جگہوں میں آنحضرتؐ کو گمراہی، ضلالت اور جنون وغیرہ سے بری اور معصوم قرار دیا گیا ہے۔

ان دونوں نظیروں کی روشنی میں اگر سورہ نجم کی قسم اور مقسم علیہ پر غور کیا جائے۔ تو صحیح نتیجہ تک پہنچنا کچھ زیادہ مشکل نہیں رہ جاتا ہے۔ اور دو واضح مطابقتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔

۱۔ منکرین رسالت کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کے متعلق یہ خیال رکھتے تھے کہ یہ شخص کاہن یعنی ایک طرح کا عامل ہے اور اس نے جنات اپنے بس میں کر رکھے ہیں وہ غیب کی خبریں اس کو آکر بتا دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی تردید فرماتے ہوئے ستاروں کے سقوط سے شہادت پیش کی کہ خدا کے پردہ غیب تک کسی شیطان و جن کی رسائی نہیں اور اگر کبھی کوئی شیطان کان لگانے کی کوشش کرتا ہے تو خدا کی طرف سے ایک شہاب ثاقب اس کا پیچھا کرتا ہے سورہ حجر میں فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ۔

اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور اس کو دیکھنے والوں کے لئے ستاروں سے آراستہ کیا اور ہر شیطان مردود سے اس کی حفاظت کی مگر کوئی کان لگائے تو ایک دمکتا شہاب اس کے پیچھے لگتا ہے۔

سورہ صافات میں ہے۔

| | |
|---|---|
| إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ | اور ہم نے زینت دی سماء دنیا کو ستاروں سے |
| وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ لَّا | اور محفوظ کیا ہر سرکش شیطان سے وہ ملاء اعلیٰ |
| يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ | کی طرف کان بھی لگانے نہیں پاتے اور کھدیڑنے |
| مِن كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ | کے لئے ہر طرف سے ان پر شہاب پھینکے جاتے |
| وَاصِبٌ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ | ہیں اور ان کیلئے لازمی عذاب ہے۔ مگر ہاں کوئی |
| فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ | بات اگر کوئی اچک لیجاتا ہے تو شہاب ثاقب دمکتا ہوا نکلا |

سورہ شعراء میں یہ مضمون اور بھی واضح ہو گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ وَمَا | اور اس قرآن کو (جیسا کہ کفار کہتے ہیں) شیطان |
| يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۔ | لیکر نہیں اترے۔ اور نہ یہ کام ان کے کرنے کا ہے |
| إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ | اور نہ وہ اسکو کر سکتے ہیں وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیے گئے ہیں۔ |

پھر اسی سورہ میں ان لوگوں کو بھی بتا دیا ہے جن پر شیطان اترتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ | کیا میں تمہیں بتاؤں کن پر شیطان اترا کرتے |
| تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ يُلْقُونَ | ہیں: اترتے ہیں ہر جھوٹے بدکردار پر جو کان |
| السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ | لگاتے ہیں اور اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ |

یہ مضمون قرآن مجید میں کئی جگہ بیان ہوا ہے۔ اور شواہد بکثرت ہیں، بقصد اختصار ان کا ذکر ہم اس وقت نظر انداز کرتے ہیں۔

اور مفسرین کے جو اقوال "النجم" کے متعلق ہم نے نقل کئے ہیں ان میں ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اس سے ٹوٹنے والے نجوم مراد ہیں اور ہم نے اس کو دوسرے قول کے عموم میں داخل سمجھا ہے۔





پس اگر یہ تاویل اختیار کی جائے تو قسم اور مقسم علیہ میں ایک واضح تعلق نمایاں ہو جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ ہر جگہ ستاروں کے سقوط، وقوع اور پیچھے ہٹنے اور چلکر غائب ہونے کی قید ہی قسم کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ پس اس روشنی میں اگر سورہ نجم کی ابتدائی آیات پر غور کیا جائے تو گویا ٹوٹنے والے تاروں کو شہادت میں پیش کر کے فرمایا کہ ما ضل صاحبکم وما غوی جس طرح سورۂ تکویر میں فرمایا کہ ما صاحبکم بمجنون۔ یعنی پیغمبر کے متعلق تم جو یہ گمان کرتے ہو کہ وہ کاہنوں اور عاملوں کی طرح جنوں اور شیطانوں کی مدد سے غیب کی باتیں پیش کرتا ہے تو تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ پیغمبر اس طرح کی ضلالت و غوایت سے پاک ہے۔ کاہن جھوٹے اور لباٹیے ہوتے ہیں کیونکہ خدا کے غیب سے کوئی واقف نہیں۔ کوئی جن اور شیطان اگر کان لگاتا ہے تو خدا کے شہاب ثاقب اس کی سرزنش کرتے ہیں۔ مگر یہ کاہن جو افاک اور اثیم ہوتے ہیں اپنے جی سے من گھڑت فسانے سناتے ہیں اور اس کو الہام غیب بتاتے ہیں۔ اور اس پیغمبر کا حال یہ ہے کہ

وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی۔

اس کے بعد پیغمبر صلعم کے واسطۂ علم کا ذکر فرمایا کہ اس کا واسطۂ علم کاہنوں کا شیطان نہیں بلکہ خدا کا جبریل امین ہے، علمہ شدید القوی۔ وہ زبردست طاقت والا ہے کوئی شریر طاقت اس کو مغلوب و متاثر نہیں کر سکتی۔ وہ مردود و رجیم نہیں بلکہ صاحب عرش کے ہاں عزت والا اور مطاع و امین ہے۔ پھر یہ وحی کوئی خطفۂ شیطانی اور نزغۂ ابلیسی نہیں بلکہ قرب و اتصال کے چشمہ سے ابلی ہے۔ ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔ پھر مہبط وحی کے قلب و نگاہ کی پاکی، ہوشیاری اور بیداری کی شہادت دی کہ ان تجلیات و انوار گونا گوں اور مشاہد و آیات عظیمہ بوقلموں نے ایک لمحہ کیلئے بھی اس کے چشم و دل کو حیران و درماندہ اور گوش و ہوش کو عاجز و سرگشتہ نہیں بنایا۔ ما کذب الفؤاد ما رأی ...... ما زاغ البصر

وما طغیٰ۔ لقد رأیٰ من آیات ربہ الکبریٰ۔

ہم نے بات مختصر کر دی ہے۔ ان مقامات کی تشریح کے لئے دفتر چاہئے، اور جب تک لفظ لفظ اور آیت آیت کی گرہیں نہ کھول دی جائیں اس وقت تک اس تاویل کا اصلی حسن بے نقاب نہیں ہو سکتا جو اوپر بیان ہوئی ہے، لیکن اس وقت ہم اس بحث کو زیادہ پھیلانا نہیں چاہتے۔ ان شاء اللہ پھر کسی فرصت میں ان آیات پر مفصل بحث کریں گے اس وقت صرف یہ مد نظر ہے کہ اس سورہ کی قسم اور مقسم علیہ کے متعلق غور کرنے کیلئے ہمارا نقطہ نظر بالاجمال سامنے آجائے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ ستاروں کی پرستش دنیا کی قدیم ترین چیزوں میں سے ہے۔ حضرت ابراہیم کی قوم کی کواکب پرستی کا ذکر خود قرآن پاک میں نہایت تفصیل کے ساتھ ہوا ہے۔ ان ستاروں کو قومیں مختلف قوتوں اور تصرفات کا مصدر سمجھتی تھیں۔ اور اس لئے ان کے بت بنا کر ان کو پوجتی تھیں۔ عرب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی ستاروں کو مختلف اعتبارات سے ایک خاص روحانی حیثیت حاصل تھی۔ خود اس سورہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے وانہ ھو رب الشعریٰ کہکر اسی طرح کے ایک واہمہ کی تردید کی ہے۔ شعریٰ کے متعلق ایک شاعر کا یہ مصرعہ مشہور ہے:۔

اذا ذکت الشعریٰ فبرد وظل۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ عرب میں علم نجوم کو خاص اہمیت حاصل تھی اور جو لوگ اس میں دخل رکھتے تھے وہ گویا اسرار غیب کے کلید بردار سمجھے جاتے تھے۔

قرآن مجید نے عربوں کے اسی طرح کے تخیلات کی بنا پر ایک سے زیادہ مقامات میں کواکب و نجوم کی تسخیر، ان کے افول، ان کے سقوط، ان کے سجود اور ان کے ایک بندھے ٹکے اصول پر گردش کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اس سے ثابت کیا ہے کہ جو خود دوسرے کے اذن و فرمان کے آگے سر بسجود اور محکوم و مجبور ہیں وہ معبود و مسجود ہونے کی عزت کیسے پا سکتے ہیں۔ اور ان کو علم، قوت اور حیات کا سرچشمہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ والشمس، والقمر، والنجوم مسخرات بامرہ۔





پس ہو سکتا ہے کہ عربوں کے اس عام تخیل کے لحاظ سے ستاروں کے سقوط و سجود کو شہادت میں پیش کر کے پیغمبر صلعم اور وحی الٰہی کی صداقت ثابت کی ہو یعنی یہ وحی جس توحید کی دعوت دیتی ہے اس توحید کی گواہی آسمان کے ستارے بھی اسی ایک خدا کے سامنے جھک کر دیتے ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سورہ نجم میں قرآن کا اثبات، اثبات توحید کے پہلو سے ہے۔ نیز اسی سورہ میں وانہ ھو رب الشعریٰ بھی فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---


## معین المنطق

حصہ اول و دوم کے نام سے یونیورسٹیوں اور مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے لئے حسب ضرورت زمانہ سلیس اردو منطق کی پہلی اور دوسری کتاب پر مشتمل نئی طرز پر ایک آسان جدید کورس جناب مولانا مفتی محمود الحسن صاحب مدرس اول جامعہ رشیدیہ نے تیار کیا ہے۔ جس پر ماہرین فن اور جرائد نے بہترین ریویوز اور پرزور سفارشیں تحریر فرمائی ہیں۔

اس کورس میں تحقیق، اختصار، جامعیت کے ساتھ مضامین فن تمہیدات، نقشہ جات، تعریفات کے ضمن میں ایسی تسہیل و توضیح سے پیش کئے گئے ہیں کہ اس کو حصول فن اور امتحانات میں کامیابی کی گارنٹی تسلیم کرنے میں مبالغہ نہ ہوگا۔ ان اغراض کے پیش نظر ہر ایک طالبعلم کو اس کا ایک ایک نسخہ ضرور مطالعہ میں رکھنا چاہئے۔

قیمت:- حصہ اول ۳ اور حصہ دوم قسم اول ۸ ۔ قسم دوم ۷ ۔

"مینجر"

# مقالات

## سیرت شبلی

از جناب مولانا اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے علیگ

شیخ صاحب کی وفات کے بعد ایک مہاجن نے نالش کی۔ سمن آیا تو فرمانے لگے۔ کاش والد ایک پیسہ کی جائداد نہ چھوڑتے مگر قرض تو نہ چھوڑا ہوتا اور آج عدالت میں بحیثیت مقروض مدعا علیہم ہونے کی ذلت تو برداشت نہ کرنی پڑتی۔ یہ جذبہ اس قدر قوی تھا کہ ادائگی قرض کا خیال ان کو جنون کی حد تک مستولی ہوگیا تھا۔ اور اپنا کتب خانہ جو آپ کی زندگی بھر کی کمائی تھی اور جس کو وہ اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے فروخت کرنے پر طیار ہوگئے تھے۔ ایک خط میں...... کو لکھتے ہیں

..................................................................

..................................................................

..................................................................

سچ ہے

اذا ھم القی بین عینیہ عزمہ ونکب عن ذکر العواقب جانبا

قدرت نے بھی امداد کی اور بڑا جزو قرضہ کا محض مولانا کی نیک نیتی اور حسن سلوک کی بدولت





اس طرح پر ادا ہوگیا کہ مولانا نے مظفر کو اعظم گڈھ اور اطراف اعظم گڈھ کی جائدادوں میں اس کے استحقاق سے زائد دیدیا۔ جس سے خوش ہوکر مولانا کی سوتیلی ماں اور مظفر کی دادی نے وہ جائداد جو تنہا اس کے نام تھی قرضہ مشترکہ کے عوض میں مہاجن کو دیدی۔ اس طرح ایک مہاجن سے جس کا مطالبہ سب سے زیادہ تھا نجات ہوگئی اب کچھ اور متفرق قرضہ جات جن کی مجموعی تعداد اچھی خاصی تھی ان کی ادائگی کا انتظام کرنا تھا۔ اس کے لئے یہ تدبیر سوچی کہ کچھ مولوی اسحاق صاحب اپنی آمدنی سے ادا کریں اور کچھ جائداد کے منافع سے ادا کیا جائے اور کچھ خود اپنے پاس سے ادا کریں۔ مگر اپنے پاس کوئی ایسا ذریعہ آمدنی نہ تھا جس سے کچھ پس انداز کر سکیں۔ نوکری چھوڑ چکے تھے۔ اب صرف حیدرآباد کا وظیفہ اور تصنیفات کی آمدنی تھی۔ وہ ذاتی مصارف اور زیر تصنیف کتابوں کی طباعت ہی کیلئے بمشکل کافی ہوسکتی تھی۔ مولانا اسی ادھیڑبن میں تھے، کوئی صورت سمجھ میں نہ آتی تھی۔ دماغ ان غیر معمولی ترددات سے تھک کر سکون کا طالب تھا۔ اس لئے مولانا نے چاہا کہ کچھ دنوں کے لئے اس ماحول سے علیحدہ ہوجائیں اور ذرا دم لیکر پھر ان خانگی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف ہوں۔ اس خیال کا دماغ میں آنا تھا کہ منزل کا تعین کئے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے۔

چلا ہے شوق بے خبر جنوں میں جانے کدھر
نہ کوئی منزل سفر نہ قید کچھ مقام کی

ریلوے اسٹیشن پہنچے تو پہلے غازی پور کا ٹکٹ لیا۔ غازیپور سے علیگڈھ اور وہاں سے حیدرآباد کو روانہ ہوگئے۔

**مولانا کا دوسرا عقد** مولانا مسلسل کئی سال سے ریاح باسوری اور قبض میں مبتلا تھے۔ یہ شکایت زوجہ اولی کی وفات کے بعد سے شروع ہوکر روز افزوں ترقی پر تھی اکثر اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے میں تقوی کے ساتھ مسلسل تجرد اس کا باعث تھا اس لئے طبی مشورہ تھا کہ مولانا

نکاح ثانی کریں۔ مولانا اپنی علمی زندگی کے لئے ان تعلقات کو حارج سمجھ کر گریز کرتے رہے۔ مگر بالآخر مجبوراً نکاح ثانی کا ارادہ کیا۔ اور غالباً گونڈہ سے واپسی کے بعد بمشورۂ ڈاکٹر مصطفےٰ خاں صاحب عقد ثانی کرنا طے کرلیا۔ یہ امر برادرم حاجی محمد حامد صاحب نعمانی کو ناگوار تھا۔ اس جذبہ کی ذمہ داری زیادہ تر خود مولانا کے گزشتہ طرز عمل پر تھی، کیونکہ خود مولانا اپنے باپ کی زندگی تک اپنی سوتیلی ماں کا نام سننا گوارہ نہ کرسکتے تھے۔ بہرحال مولانا نے نکاح ثانی کرلیا۔ حامد بھائی کو اس کا سخت صدمہ ہوا اور کچھ دنوں کے لئے گھر سے لاپتہ ہوگئے۔ اس وقت مولانا کی حالت دیکھنے کے قابل تھی گھنٹوں مسلسل رویا کرتے۔ بہرحال چند مہینوں کے بعد پتہ چلا کہ حامد صاحب زندہ ہیں اور بہار میں کسی صوفی صاحب کے مرید ہوکر زاہدانہ زندگی بسر کررہے ہیں۔ مولانا کے چچازاد بھائی حاجی شیخ محمد عثمان صاحب اور ماموں زاد بھائی حاجی رشید الدین صاحب بھیجے گئے۔ اور حامد صاحب کو منالائے۔

حیدرآباد میں مولانا کے قدرشناسوں کی کمی نہ تھی۔ طبقہ امراء میں نواب مدار المہام بہادر نواب وقار الامراء، مہاراجہ سرکشن پرشاد وغیرہ مولانا کی بڑی عزت کرتے تھے۔

ارباب مناصب میں دربار حیدرآباد کے فیضی و ابوالفضل یعنی مولوی سید حسین اور مولوی سید علی بلگرامی، مولانا کے بڑے معترف اور پارشناس احباب میں سے تھے۔ مولوی نظام الدین حسن صاحب جج، نواب سربلند جنگ، اور عزیز مرزا مرحوم سے برادرانہ و عزیزانہ تعلقات تھے۔ مولانا حیدرآباد پہنچے تو بڑا پرجوش خیر مقدم ہوا۔ ایک بڑے جلسہ میں جس کے صدر خود وزیر صاحب محکمہ عدالت تھے مولانا نے تقریر فرمائی۔ نواب مدار المہام صاحب کی خدمت میں باریابی ہوئی تو انھوں نے مولانا کو قیام حیدرآباد کی ترغیب دی۔ پہلے امور مذہبی کی ایک بڑی خدمت مولانا کو دینی چاہی مگر مولانا نے انکار کی تو بالآخر ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں سررشتہ علوم و فنون کے نظامت کا پروانہ ملا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ سرانٹنی میکڈانلڈ صوبہ متحدہ کے لفٹنٹ گورنر ہوچکے تھے۔





مسلمانوں کے ساتھ عموماً اور اردو کے ساتھ خصوصاً ان کی دشمنی ضرب المثل ہے۔ انھیں کے زمانہ میں بہار سے اردو کا اخراج ہوا اور انھیں کی حکومت میں صوبہ متحدہ سے بھی اردو کو مٹانے کی کوشش شروع ہوئی۔ منشی اطہر علی صاحب علوی مرحوم جو کاکوری کے رئیس لکھنؤ کے مشہور وکیل تھے اور ندوۃ العلماء کے بڑے سرپرست تھے، اپنی مذہبیت اور اسلام دوستی کی بنا پر معتوب ہوئے اور ان کے تعلق سے ندوہ بھی معتوب ہوگیا۔ مجبوراً منشی صاحب نے لکھنؤ چھوڑا۔ اور بالآخر ہجرت کی۔ غالباً میکڈانلڈ صاحب کی یہی اسلامی خدمات تھیں جن کے اعتراف میں علی گڑھ کا ایک بورڈنگ ہاؤس ان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، کہنا یہ تھا کہ سرانٹنی میکڈانلڈ کی اینٹی اردو پالیسی نے اکثر مسلمانوں کو مشتعل کردیا اور اردو کی حمایت و ترقی پر متوجہ کیا۔ مولوی منیر الدین صاحب اڈیٹر البشیر اور نواب محسن الملک نے ایک سلسلہ مضامین لکھا۔

(باقی)

---

## تفسیر سورہ کافرون

استاذ امام مولانا حمید الدین رحمہ اللہ کی تفسیر سورہ کافرون کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں ہجرت، اور برأت کا اصلی فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور نبوت کے مراحل و مقامات کی توضیح اس قدر حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی بے شمار مشکلات آپ سے آپ حل ہوگئی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ عمدہ، حجم ۴۸ صفحے۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶۔

"منیجر"

# ادبیات

## نذرِ عقیدت

از جناب مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڈھ

اے حریمِ قدس، اے خاکِ حجاز
سجدہ گاہِ قدسیانِ بزمِ راز

جلوہ گر ہے تجھ میں وہ برقِ حیات
جس کے پرتو سے ہے روشن کائنات

چپہ چپہ ہے ترا خلدِ بریں
نزہت انگیز و لطافت آفریں

ہے ترا ہر گوشۂ دامانِ خاک
پرتوِ نورِ ازل سے تابناک

ذرہ ذرہ تیرا برقِ طور ہے
بزمِ ہستی جس سے غرقِ نور ہے

آستانہ ہے ترا وہ آستاں
جس کی عظمت پر تصدق لامکاں

وہ تلاطم ہے ترے آغوش میں
غرق ہے کونین جس کے جوش میں

بندۂ فرماں تری جبروت کا
ذرہ ذرہ عالمِ لاہوت کا

یہ ترا صحرائے بے نقش و نگار
حسنِ فطرت کی ہے معراجِ بہار

سادگی جس کی چمن پیرائے کون
طرۂ آرائشِ سیمائے کون

تیرے ریگستان کا سوز و گداز
ہے نشاطِ روحِ اربابِ نیاز

جس کا ہر ذرہ شرارِ معنوی
مشعلِ ایمان و شمعِ آگہی

ہے تری یہ وادیٔ بے آب و کشت
انبساطِ سرمدی کی اک بہشت





جس کے ہر منظر پہ ہے چھایا ہوا
ایک عالم کیفِ نامحدود کا

جس کے آغوش فضا میں جلوہ بار
آفتابِ رحمتِ پروردگار

جس کے دامن میں ہیں رقصاں مہر و ماہ
جس کا نظارہ ہے معراجِ نگاہ

کوہِ فاراں ہے ترا وہ جلوہ زار
جس پہ نورِ وادیٔ ایمن نثار

چوٹیوں سے جس کی اٹھی وہ صدا
ہل گئی ایوانِ باطل کی بنا

جس کے دامن سے اٹھی وہ موجِ نور
مٹ گئی تاریکیٔ کفر و غرور

وادیوں سے جس کی وہ ابرِ کرم
اٹھ کے برسا بن گئی دنیا ارم

جس کے قطروں میں تھا وہ نورِ حیات
ہو گئی شاداب کشتِ کائنات

آتشِ شر سرد ہو کر رہ گئی
لہلہا اٹھا ریاضِ معنوی

شرق سے تا غرب پھر برپا ہوا
غلغلہ توحیدِ ابراہیمؑ کا

روح پھر لذت کشِ عرفاں ہوئی
دل کو حاصل دولتِ ایماں ہوئی

وہ شبستاں ہے ترا غارِ حرا
خاک جس کی سجدہ گاہِ مصطفےٰ

جس میں نازل نورِ یزدانی ہوا
واردِ الطافِ روحانی ہوا

جس میں وہ شمعِ یقیں روشن ہوئی
بزمِ عقل و جان و دیں روشن ہوئی

جس کی ضو نے جسم کو جاں کر دیا
دیدۂ باطل کو حیراں کر دیا

جس میں لیکر مژدۂ تکمیلِ دیں
عرش سے نازل ہوئے روح الامیں

آفتابِ حق ضیا گستر ہوا
غرقِ ظلمت کفر کا منظر ہوا

عدل کو فرمانِ دارائی ملا ...
ظلم کو پیغامِ رسوائی ملا

بانگِ حق سے گونج اٹھے دشت و جبل
ہو گئی خم گردنِ لات و ہبل

گمرہوں کو جادۂ منزل ملا — بے حسوں کو اضطراب دل ملا
تشنہ کاموں کو ملا جام حیات — دردمندوں کو ملی غم سے نجات
دل کی تسکیں روح کی راحت ملی — یعنی وہ توحید کی دولت ملی
جس نے بخشا فقر کو تاج شہی — حبش کو دی جس نے تیغ آگہی
جس کے دم سے بن گئے صحرا نشیں — محرم اسرار جبریل امیں
وحشیوں کو جس نے دیں وہ ہمتیں — کج کلاہی کی مٹا دیں شوکتیں
جس نے دی تیرہ دلوں کو روشنی — مفلسوں کو کر دیا جس نے غنی
جس نے نظریں مال و زر سے پھیر دیں — سلطنت کے جاہ و فر سے پھیر دیں
جن کے فیضان اثر سے بن گئے — اہل دنیا کی امامت کے لیے
وہ کہ تھی جن کو خدا سے دشمنی — شیوۂ فطرت تھا جن کا رہزنی
نشۂ قوت سے جو تھے مست — دی غلاموں نے امیروں کو شکست
رومیوں کی چھین لی تیغ و سناں — روند ڈالا طرۂ تاج کیاں
جس نے بخشا امیوں کو وہ شعور — ہو گئے سر تا قدم معمور نور

بن گئے وہ درس آموز ملک
کھل گئے سب ان پہ اسرار فلک





# تقریظ و تبصرہ

## "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش"

(۲)

بہرحال مولانا کا یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ جس جماعت نے مسلمانوں کے حقوق و مفاد کا نام لیا ہم نے اسکا سینہ "ٹوڈیت" اور "رجعت پسندی" کے طعنوں سے چھلنی کرنا شروع کر دیا۔ ان لفظوں کی ایک سیاسی تاریخ ہے اور روایت اور استعمال نے انکا جو مفہوم متعین کر دیا ہے ہم اس سے ایک اینچ بھی منحرف نہیں ہوئے ہیں۔ ہم رجعت پسند انہی لوگوں کو کہتے ہیں جو رجعت پسند ہیں۔ اور وقت کے ہر تقاضے اور ضرورت کے ہر مطالبہ کا جواب جن کے پاس صرف یہ ہے کہ اس سے منہ پھیر لیں۔ اپنی موجودہ حالت میں کسی طرح کی تبدیلی کیجئے "ما نو" نہ ہوں اور جب دیکھیں کہ سیلاب کی کوئی زد دور دور ان کے دارالامان کی دیواروں سے بھی ٹکرائی تو چلانے اور شور مچانے لگیں کہ دوڑو دوڑو تمہارا مذہب، تمہاری تہذیب اور تمہاری ساری روایات خطرہ میں آگئی ہیں۔ اور جب اس جاذب قلوب و ارواح صدا کی تیزی سے کچھ سادہ دلوں کو اپنے ارد گرد جمع کر لیں تو اطمینان کا سانس لیں کہ اب آئی ہوئی آفت گذر گئی اور ڈوبتا ہوا سفینہ بچا لیا گیا۔

مولانا سیاست اور تاریخ کی ان کتابوں کو دیکھیں جن میں ان لفظوں کی تاریخ بیان ہوئی ہے اور پھر غور فرمائیں کہ ہم نے ان کے صحیح منطوق کی تعیین میں کتنی دیانت داری سے کام لیا ہے۔ اب اتفاق کی بات ہے کہ اس رائے میں پنڈت جواہر لال نہرو بھی ہمارے ہم آہنگ ہو گئے ہیں اسلئے ہم پر تقلید ہنود و ہندوؤں کے پروپگنڈے سے مسحور ہونے کا الزام ہے لیکن صد شکر کہ اسکی تائید میں ایک صدا دارالاسلام سے

ہی ابھی جس کی تفصیل پچھلی اشاعت میں گزر چکی ہے۔ اس لئے امید ہے کہ اب یہ گناہ ثواب ہو جائیگا۔ اور تقلید و اتباع حاسبانہ کی جگہ اسکو اجتہاد و تفقہ عالمانہ سے تعبیر کیا جائیگا۔ معاملہ ہر چند ایک ہی ہو لیکن جب اس کا قائل بدل گیا ہے تو اس کی حقیقت بھی ان شاء اللہ بدل کے رہے گی۔

غرض جہاں تک ٹوڈیت اور جدت پسندی کے نعروں اور ہنگاموں کا تعلق ہے الحمد للہ اب ہم میں، مولانا میں اور پنڈت جواہرلال نہرو میں اتفاق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر اختلاف رائے شروع ہو جاتا ہے۔ وہ "دار الاسلام" قائم کر کے حق بجانب مقصد یعنی "حکومت الٰہیہ" کی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں، اور کانگریسی مسلمان "مسلمانوں کی شدھی" اور ان کا گلا گھونٹنے میں مشغول ہو جاتے ہیں یہ ایک اہم اور عظیم اختلاف ہے جس کے وجوہ و اسباب پر ہم کو مفصل بحث کرنی پڑیگی۔ لیکن فی الحال ہم پیش نظر کتاب کے زیر نظر صفحات پر ایک سرسری نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس بحث کیلئے ہم اس وقت فارغ ہوں گے جب مولانا کی اصل اسکیم "دار الاسلام" پر غور کریں گے۔

اس تمہیدی بحث کے بعد مولانا نے قریب تین فصلوں میں "قوم پرستوں کے نظریات" کی تشریح کی ہے۔ اور اس سفر تحقیق میں انکی "خوش قسمتی" سے جو عجیب و غریب ماخذ دلائل و معلومات کیلئے ہاتھ لگ گیا ہے اسکا ذکر ان لفظوں میں فرمایا ہے:

"خوش قسمتی سے ہمارے پاس ایک کتاب ایسی موجود ہے جس میں ہندوستان کے بین الاقوامی مسئلے اور اس کے حل اور ہندوستان کی آزاد حکومت کے نقشے اور اس کے طریق حصول کے متعلق "قوم پرست" جماعت کے نظریہ کی پوری تشریح مل جاتی ہے۔ یہ کتاب پنڈت جواہر لال نہرو کی تصنیف ہے۔ جو نہ صرف کانگریس کے صدر رہ چکے ہیں بلکہ گاندھی جی کے متوقع جانشین سمجھے جاتے ہیں۔"

آپ کچھ سمجھے کہ یہ عجیب و غریب کتاب جو مولانا کو "خوش قسمتی" سے ہاتھ آگئی ہے، جس میں "ہندوستان کے بین الاقوامی مسئلہ کا حل" "ہندوستان کی آزاد حکومت کا نقشہ"، "اس کے حصول کے متعلق" "قوم پرست جماعت کے نظریہ کی پوری تشریح" یک ہی جگہ موجود ہے، کیا ہے؟ مصنف کا نام تو مولانا نے بے تکلف بتا دیا ہے اور اس کا منصب حال و مستقبل بھی ظاہر کر دیا ہے لیکن معلوم نہیں کتاب کا نام کس مصلحت سے یہاں ظاہر کرنا مناسب نہیں خیال فرمایا، حالانکہ اگر وہ صاف لفظو





میں کہہ دیتے کہ اسکا نام "میری کہانی" ہے جسمیں پنڈت جواہرلال نہرو نے اپنی آپ بیتی لکھی ہے تو اس سے ان کے پیش نظر مقصد کیلئے کسی ضرر کا اندیشہ نہیں تھا۔ مولانا اور دوسرے جس رنگ پر اپنے قارئین کی تربیت فرما رہے ہیں اس کے فیض سے ان شاء اللہ اب وہ پوری طرح اس قابل ہو گئے ہیں کہ اس طرح کے دعاوی و دلائل میں کوئی بیگانگی نہ محسوس کریں۔ وہ نہایت آسانی سے اس بات کو باور کر سکتے ہیں کہ اگر جواہرلال نے کسی کتاب میں فلاں فلاں باتیں کہی ہیں تو یقیناً وہی ہندوستان کے بین الاقوامی مسئلہ کا حل ہے، وہی ہندوستان کی آزاد حکومت کا نقشہ ہے، وہی تمام قوم پرست جماعت کے نظریہ کی تشریح ہے۔ وہی کانگریس کی سرکاری پالیسی ہے۔ وہی پٹیل، گاندھی، راجندر اور تمام ہندو سوچ رہے ہیں۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد، اور مولانا سید سلیمان ان خیالات و افکار کے علاوہ کچھ سوچ سمجھ سکیں جو اس عجیب و غریب کتاب میں بیان ہوئے ہیں کہ انکا تو مقصد زندگی ہی یہی ٹھہرا کہ جواہرلال جو کچھ املا کرا دیں وہ لوح قلب و حافظہ پر نقش کر لیں اور پھر اس کو مضمونوں، اخباروں اور تقریروں میں دہراتے رہیں۔ اور انہی کے ساتھ یہ گردن زدنی اڈیٹر الاصلاح بھی ہے جو قرآن کا لیبل لگا کر جواہرلال کی بولی ہوئی بولیاں براڈکاسٹ کرتا رہتا ہے۔

ابنائے زمانہ کا طریقہ فکر و نظر یہی ہے۔ جو شخص بھی آج کانگریس پر تنقید کرنے کا شائق ہے وہ ہر راہ چلتے کے قول و فعل کو کانگریس کی سرکاری پالیسی کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور اسی نقطہ نظر سے اس سے نتائج و اصول مستنبط کرتا ہے۔ مولانا نے اس حد تک گرنا تو پسند نہیں کیا ہے لیکن چلے وہ بھی اسی روش عام پر ہیں۔ یعنی ایک جمہوری ادارہ کے کانسٹی ٹیوشن، اس کے نظام کار، اس کے اغراض و مقاصد کو سمجھنے کیلئے وہ اس امر کو کافی سمجھتے ہیں کہ اس ادارہ سے وابستہ رہنے والے کسی شخص کی سوانح عمری پڑھ لیں اور پھر اسی کے ذاتی جذبات و خیالات اور اسکے معتقدات کے اندر اس ادارہ کے خط و خال بھی دیکھ لیں۔ حالانکہ یہ اصول نہ صرف یہ کہ نہایت غلط ہے بلکہ اسکی تعمیم متمدن ہونے کی حالت میں نہایت خوفناک بھی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک ادارہ کے تمام افراد صرف اپنی شرکت یا ممبری ہی کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اس ادارہ سے وابستگی رکھنے والے تمام اشخاص و افراد کے ذاتی خیالات

ومعتقدات کے بھی ذمہ دار ہوں۔ سب کو معلوم ہے کہ مولانا حسرت اشتراکی ہیں اور اشتراکیت ہی میں وہ ہندوستان کی نجات دیکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ لیگ کے ایک وفادار کارکن بھی ہیں۔ پھر کیا کسی شخص کو بھی حق ہے کہ وہ مولانا کے ذاتی خیالات کی روشنی میں لیگ کی اصلی پالیسی کو بتاکر اسے معدوم کرنے کی کوشش کرے۔ ہمارے قائد اعظم مسٹر جناح کا ذاتی فیصلہ یہ ہے کہ نکاح و طلاق وغیرہ کے معاملات سے مذہب کو کوئی واسطہ نہیں ہے پھر کیا ان کے ذاتی خیال کی ذمہ داری ہم اپنے ان مشائخ پر ڈال دیں جن پر اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا ہے کہ مسلم لیگ حق ہے حالانکہ اگر پنڈت جواہر لال کے خیالات محض اس بنیاد پر کانگریس کی سرکاری پالیسی قرار دیئے جا سکتے ہیں کہ وہ کانگریس کے دو سال متواتر صدر رہ چکے ہیں اور گاندھی جی کے متوقع جانشین ہیں تو مسٹر جناح کے اعمال و معتقدات بدرجہ اولیٰ لیگ کی سرکاری پالیسی اور اس کے منتہائے مقصود قرار دیئے جا سکتے ہیں کہ وہ اس کے "عین حیاتی صدر" ہیں اور ہماری قوم کے "متوقع امیر المومنین" یا علی الاقل "منتظر مصطفیٰ کمال"

مولانا معاف فرمائیں مجھے ان پر اعتراض کرنے اور ان کے خیالات کی تحقیر کا کوئی شوق نہیں ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سطریں کتنے قلق و اندوہ کے ساتھ ڈوبے دل اور فرنگی کے کیسے بھاری پتھر کے نیچے دبا ہوا لکھ رہا ہوں۔ میں ان کے خلوص اور قابلیت دونوں کا سچے دل سے معترف ہوں اور ان کے کاموں کی کامیابی کا دل سے متمنی۔ لیکن وہ خدارا انصاف کو راہ دیں اور سوچیں کہ انھوں نے مطعون "قوم پرستوں" کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کیلئے کتنی غلط راہ اختیار کی ہے اور بحث و تحقیق کی راہ میں ان کا پہلا ہی قدم کتنا غلط اٹھا ہے جو لوگ کانگریس کے ہمدرد ہیں وہ کانگریس کے اصولوں کے ہمدرد ہیں اور کانگریس کے اصولوں اور کاموں کی تفسیر جواہر لال کی آپ بیتی اور گاندھی جی کی تلاش حق میں نہیں ہے۔ اس کے لئے کانگریس کا کانسٹی ٹیوشن، اس کی تجاویز کا دفتر، اس کے کاموں کی تاریخ، اس کے منشوروں کا نقشہ موجود ہے مولانا اس کو جانچ لیں اور پھر اس کی روشنی میں قوم پرستوں کے نقطہ نظر کو سمجھیں اور جی چاہے تو اس کی بنا پر مورد اعتراض اور ہدف مطاعن بنائیں۔ باقی رہے اشخاص و افراد کے ذاتی عزائم و اعمال تو جواہر لال [illegible]۔ اشتراکی ہونے کے مجرم قرار دیئے جا سکتے ہیں اور

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند





کانگریس کے اندر، تو ان کو ایسے اشخاص بھی مل جائیں گے جن کے ہزار ارادوں میں سے اگر ایک ارادہ بھی اللہ تعالیٰ پورا ہونے کی مہلت دیدے تو وہ ہندوستان کو جہنم بنادیں۔ لیکن یقیناً ان کا ارادہ کانگریس کی پالیسی کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کی ذمہ داری تمام "قوم پرستوں" پر عائد کی جا سکتی۔

بہرحال اس کتاب میں انھوں نے قومیت، مذہب، اور اقتصادی تنظیم کے متعلق پنڈت جواہر لال کے خیالات نقل کئے ہیں اور پھر اسی سلسلہ میں بابو سمپورنانند، ڈاکٹر اشرف، اور منظر رضوی وغیرہ کی طول طویل عبارتیں نقل کی ہیں۔ حالانکہ اس تطویل لاطائل کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ تمام حضرات اشتراکی گروہ کے لوگ ہیں، ان کے نزدیک ہر چیز کی بنا اقتصادی فوائد پر ہے۔ مذہب، سوسائٹی اور قومیت کے متعلق ان کے نظریات کوئی سر مخفی نہیں۔ ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے۔ پس اس ساری بحث کو ایک جملہ میں سمیٹا جا سکتا تھا کہ کانگریس میں فلاں فلاں اشخاص اشتراکی ہیں۔ اور اس فقرے کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی۔ ہر پڑھے لکھے آدمی کو یہ بات معلوم ہے اور جو لوگ کانگریس کے اندر ہیں وہ شاید اس سے زیادہ وسعت و تحقیق کے ساتھ جانتے ہیں جتنی وسعت کے ساتھ مولانا نے اس کو پیش کیا ہے۔

ہم کو یہ بھی تسلیم ہے کہ ان لوگوں کے پیش نظر ایک ایسی قومی حکومت کا قیام ہے جو مذہبی قومیتوں کو ختم کر کے قومی بنائی جائے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ یہ لوگ مذہبی عقائد کے بجائے معاشی عقائد کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی اندیشہ بجا ہے کہ جو قلیت اس معاشی مذہب کی پیروی نہ کرے اس کو ڈرا دھمکا کر یہ لوگ انقلاب پیدا کریں گے۔ پھر ان سب کے اندر یہ اس خطرہ کا بھی امکان ہے کہ ہندوستان میں جس بین الاقوامی اشتراکیت کا علم بلند ہو اس کی ٹکر سب سے پہلے اس بین الاقوامی نظام اجتماعی سے ہو جو ہندوستان کی ہمسایہ ممالک میں پھیلا ہوا ہے یعنی اسلام۔ یہ تمام خطرات بجا و درست۔ اور ہم بے سوچے سمجھے ان کو تسلیم کئے لیتے ہیں لیکن کانگریس سے ان کا پیوند کیا ہے؟ یہ کانگریس کے اندر کے ایک گروہ کے خیالات ہیں یا کانگریس کی سرکاری پالیسی کی حیثیت رکھتے ہیں؟ یہی سوال اس بحث میں بنیادی سوال ہے؟ اس کا جواب مولانا کی زبان سے سنئے۔ مولانا فرماتے ہیں:-

"پنڈت جواہر لال کے جو خیالات گذشتہ صفحات میں پیش کئے گئے ہیں ان کو محض ایک شخص کے ذاتی

خیالات کو محض سرسری طور پر نظرانداز کر دینا صحیح نہیں ہے۔ اول تو یہ اس شخص کے خیالات ہیں جو گاندھی جی کے بعد کانگریس میں سب سے زیادہ بااثر ہے اور دو مرتبہ کانگریس کا صدر رہ چکا ہے دوسرے یہ کہ جواہر لال کے بعد ان کے ہم خیال بلکہ ان سے زیادہ سخت خیالات رکھنے والے شخص سوبھاش چندر بوس کا صدر منتخب ہونا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ کانگریس پر ان خیالات کا پورا غلبہ ہے۔ ان سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اب یہ خیالات لیڈروں کے ذاتی خیالات نہیں رہے بلکہ درحقیقت کانگریس کی سرکاری پالیسی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔"

یہ عبارت زیر نظر کتاب کے صفحہ ۱۴۳ سے ماخوذ ہے اب اسی کے ساتھ صفحہ ۱۰۰ کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیے اور اس تطابق بیان پر سر دھنئے۔

"کانگریس کے متعلق یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ اس کا نصب العین اشتراکی نہیں ہے۔ وہ سرمایہ داروں سے بگاڑنا چاہتی ہے۔ نہ سرمایہ داری نظام کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ نہ اس سماجی و تمدنی انقلاب کی حامی ہے جس کا ذکر جواہر لال اور سوبھاش چندر بوس بار بار کیا کرتے ہیں۔ ہری پورہ کانگریس میں جواہر لال کے سامنے اور سوبھاش چندر بوس کی صدارت میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے سوشلسٹ جماعت کو بری طرح ڈانٹا تھا اور یہ الفاظ کہے تھے۔

"تم کانگریس میں دست راست اور دست چپ کی جماعتیں پیدا کرنے کے ذمہ دار ہو حالانکہ کانگریس ہمیشہ سے ایک وحدت رہی ہے ......... ہم برابر دو سال سے تمہارے وجود کو برداشت کر رہے ہیں مگر وہ وقت آ رہا ہے جب ہم تمہیں برداشت نہ کر سکیں گے۔" (نیشنل ہیرالڈ ۱۰ فروری ۳۸ء)

تم ذرا دو تین برس پر ہندوستانی اشتراکیت کے ان دونوں اقنوموں میں سے ایک نے بھی دم مارا ہو تو احمد آباد اور دوسرے مقامات پر مزدوروں کا سر توڑ کانگریسی وزارتیں ہی کچلتی رہی ہیں۔ مدراس، صوبہ سرحد اور دوسرے صوبوں میں جہاں کہیں اشتراکیوں نے چادر سے پاؤں نکالا وہاں کانگریسی حکومتوں نے ہی ان کی گردن کاٹ دی۔





ابھی تھوڑے ہی روز ہوئے ہیں کہ حکومت مدراس نے اشتراکیت کی تبلیغ کے خلاف ایک کمیونک شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ :-

"چند پمفلٹ جو ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے شائع کئے جا رہے ہیں حال میں حکومت کے ہاتھ آئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پارٹی تخریبی گندگی جاری رکھنے اور اس ملک میں ابتری پھیلانا چاہتی ہے اس لئے حکومت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ پبلک کو آگاہ متنبہ کر دے تاکہ عام باشندگان ملک زندگی میں ایسی تحریک سے متاثر نہ ہو جائیں جس کا فلسفہ اور طریق کار بالکلیہ اس ملک کی تہذیب اور روایت کے خلاف ہے۔"

اس کے بعد اس کمیونک میں اشتراکی پمفلٹوں کا خلاصہ دیا گیا ہے جس کے یہ الفاظ خاص طور پر غور طلب ہیں۔

"محنت کش طبقوں کی انقلابی فوج یعنی ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی تمام ملک میں طبقہ وار جنگ برپا کرے گی اور قومی انقلابی ہڑتال کا اعلان کرے گی۔ مزدور اپنے اوزار رکھ دیں گے۔ دماغی کام کرنے والے دفتروں سے نکل آئیں گے۔ طلبہ مدرسوں سے نکل کر راہوں پر آ جائیں گے کسان مالگزاری اور لگان دینے سے انکار کر دیں گے، ریلیں کھڑی ہو جائیں گی، کارخانے اور بجلی گھر بند ہو جائیں گے ......... (ملاحظہ ہو اخبار مدینہ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۸ء) (ترجمان)

یہ پوری عبارت بغیر کسی انتخاب و تصرف کے صفحات ۱۰۷ اور ۱۰۸ سے نقل کی گئی ہے۔ احباب جانتے ہیں کہ خواہ مخواہ کسی کی عبارتیں پیش کرنے سے مجھے وحشت ہوتی ہے اور یہ میرا طریقہ نہیں ہے تاہم دل پر جبر کر کے یہ طویل اقتباس پیش کرتا ہوں تاکہ لوگ ان دونوں عبارتوں کے تضاد کو دیکھ سکیں کہ آدمی اگر کسی کے لئے نامنصف ہو جائے تو اس کے متعلق ایک ہی سانس میں کس قدر مختلف اور متضاد باتیں کہنے کی اس میں کیسی حیرت انگیز قوت پیدا ہو جاتی ہے مگر میں مولانا کو معذور سمجھتا ہوں وہ طول بیان کا جو جال دوسروں کے لئے بنتے ہیں، بسا اوقات اس میں خود الجھ کے رہ جاتے ہیں۔ تحریروں کو عوام میں مؤثر بنانے کیلئے مغلوبی ناگزیر ہے اور عوام میں اتنا حافظہ اور علم کہاں کہ شب ہم

کی ان لغزشوں کو سمجھیں اور شمار میں رکھیں۔

بہر حال ایک طرف یہ یاد رکھئے کہ

"یہ خیالات (یعنی اشتراکی خیالات) لیڈروں کے ذاتی خیالات نہیں رہے بلکہ در حقیقت کانگریس کی سرکاری پالیسی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔"

دوسری طرف یہ یاد رکھئے کہ

"کانگریس کے متعلق یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ اس کا نصب العین اشتراکی نہیں ہے۔"

ایک طرف جواہر لال کا درجہ کانگریس میں یہ ہے کہ

"جو گاندھی جی کے بعد کانگریس میں سب سے زیادہ بااثر ہے اور دو مرتبہ کانگریس کا صدر رہ چکا ہے۔"

دوسری طرف جواہر لال اور بوس دونوں کی بے بسی اور ناتوانی کا یہ حال ہے کہ پٹیل برسر اجلاس ان کی تحریکوں کو ڈانٹتے (?) ہیں اور اس زجر و توبیخ پر ہندوستانی اشتراکیت کے ان دونوں اقنوموں میں سے ایک نے بھی دم نہ مارا۔

ایک طرف یہ یاد رکھئے کہ "اشتراکیت کانگریس کی سرکاری پالیسی کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔"

پھر حافظے کے اسی گوشے میں یہ بھی محفوظ رہے کہ "متعدد مقامات پر مزدوروں کا سر خود کانگریسی وزارتوں نے کچلا۔ متعدد صوبوں میں جہاں کہیں اشتراکیت نے چادر سے پاؤں نکالا وہاں کانگریسی حکومتوں نے ان کی سرکوبی کی۔ مدراس کی حکومت نے اشتراکیت کے خلاف باضابطہ کمیونک نکالا" وغیرہ وغیرہ۔

پھر آئیے اور دیکھئے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو مولانا کس مہارت و کاردانی کے ساتھ ایک لڑی میں پرو کر کانگریس کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

"یہ ٹھیک وہی خیالات ہیں جو کانگریس سکریٹریٹ کے دفتر سے منظر رضوی صاحب شائع کر چکے ہیں۔ (مولانا کا اشارہ ان خیالات کی طرف ہے جن کا مدراس گورنمنٹ نے اپنے کمیونک میں حوالہ دیکر ان کی سرزنش کی تھی) مگر عجیب بات ہے کہ جب یہ خیالات مسلمانوں میں پھیلائے جاتے ہیں تو ان کو جائز رکھا جاتا ہے اور جب





حقیقت میں ملک کے اندر اشتراکی انقلاب برپا کرنے کیلئے ان کی اشاعت کی جاتی ہے تو کانگریسی حکومت ان کو ہندوستان کی تہذیب اور روایات کے منافی قرار دیتی ہے اور ان کے خلاف تنبیہی کمیونک نشر کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اشتراکیت فی الواقع کانگریس کی سرکاری پالیسی نہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں میں اس مسلک کو صرف اس غرض سے پھیلایا جا رہا ہے کہ اسلامی سوسائٹی کے درہم برہم کرنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں۔"

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ کس حیثیت سے اشتراکیت کانگریس کی سرکاری پالیسی ہے اور کس حیثیت سے نہیں ہے۔ مولانا کے نزدیک اشتراکی انقلاب کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایک حقیقت میں (۲) دوسرا مسلمانوں میں۔ کانگریس پہلے کی دشمن ہے مگر دوسرے کیلئے وہ مسلمان سپاہیوں کی فوج بھرتی کرتی ہے۔ اور اس امر کی پوری ہوشیاری کے ساتھ نگرانی کرتی رہتی ہے کہ یہ سپاہی ٹھیک کام کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نوآموز سپاہی کے پھوہڑپن سے "مسلمانوں میں" والا انقلاب "حقیقت میں" والا انقلاب ہو جاتا ہے تو کانگریس کیمپ میں بڑی کھلبلی مچ جاتی ہے اور کانگریس گورنمنٹ اس کے خلاف تہدیدی کمیونک نکالتی ہے چنانچہ اسی قسم کا ذرا سا بے ڈھنگا پن منظر رضوی صاحب سے ہو گیا تھا، ان سے چاہا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں میں اشتراکی انقلاب پیدا کریں مگر انھوں نے پیدا کر دیا حقیقت میں انقلاب۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ مدراس گورنمنٹ بروقت متنبہ ہو گئی ورنہ انھوں نے تو کانگریس کے گھر ہی میں آگ لگا دی تھی۔ مولانا نے ایک جگہ منظر رضوی صاحب کی کانگریس سکریٹریٹ سے علیحدگی کا مسئلہ بھی چھیڑا ہے اور اس کے اسباب سے متجاہلانہ لاعلمی ظاہر کی ہے لیکن اس صورت حالات کے سامنے آجانے کے بعد معاملہ صاف ہے۔ یقیناً وہ اپنے مفوضہ خدمت میں کچھ چابکدست نہیں ثابت ہوئے ہوں گے۔ اور وہ کیا، وہ تو غریب ابھی کورے اشتراکیت کے طفل کم سواد ہیں، اگر کانگریس سکریٹریٹ کو عالم برزخ سے خود کارل مارکس کی خدمات بھی حاصل ہو جائیں تو اس بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز راہ پر تو شاید اس کے قدم بھی ڈگمگا جاتے۔ مولانا کے نزدیک اشتراکیت سنکھیا کی پڑیا ہے جس کو کانگریس مسلمانوں کو چپکے چپکے کھلا کر ختم

کر دینا چاہتی ہے حالانکہ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اشتراکیت کی اصلی خصوصیت "اشتراک" ہے، موت میں بھی اور زندگی میں بھی۔ یہ تو ایک آگ ہے۔ اگر کسی شہر کے ایک محلہ میں لگے گی تو سارا شہر اس کے لپیٹ میں آئیگا۔ اگر ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان کانگریس کی مساعی سے اشتراکی ہوگئے تو ہندوستان کے ہندو مہاجن زمیندار، اور دوکاندار، جن سے کانگریس نے سازش کر رکھی ہے۔ اپنی گدیوں پر بیٹھے نہیں رہ جائیں گے۔ پھر یہ کانگریسی لیڈر کتنے احمق ہیں کہ مسلمانوں کی موت کے ساتھ اپنی موت کو بھی دعوت دے رہے ہیں اور لطف یہ کہ اپنی قبر دونوں ہاتھوں سے کھود رہے ہیں۔ ایک طرف مسلمانوں میں اشتراکیت کا زہر پھیلانے کے لئے منظر رضوی اور ڈاکٹر اشرف وغیرہ کو خرید لیتے ہیں دوسری طرف ہندو دھرم کو تباہ کرنے کے لئے جواہر لال اور بوس جیسے دو "اقنوموں" کو چھوڑ رکھا ہے جنھوں نے ہزاروں نہیں لاکھوں ہندو نوجوانوں کو گمراہ کر ڈالا ہے۔ اگر حقیقتۃً ان کارروائیوں کا اصلی مقصد صرف مسلمانوں کے خلاف ایک سازش ہے، جیسا کہ مولانا نے افشائے راز کیا ہے، تو ہم افسوس کے ساتھ کہیں گے کہ ہندو لیڈروں نے سخت نادانی کی ہے وہ جو ہتھکنڈے مسلمانوں کو تباہ کرنے کیلئے تیار کر رہے تھے اسنے خود انکی عمارتیں مسمار کر ڈالیں!

مولانا نے یہ تحریر اس وقت لکھی ہے جب حالات پر "شب حاملہ ہست فردا چہ زاید" کا نقاب پڑا ہوا تھا۔ مگر اب اس سازش کی شام کی صبح نمودار ہوچکی ہے۔ اور مولانا زیادہ بہتر طریقہ پر معاملات کو سمجھ سکتے ہیں کہ کانگریس نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کیلئے سازش کے طور پر اشتراکیت اختیار کر رکھی تھی یا سرکاری پالیسی کے طور پر؟ بوس نے انکشاف کر کے حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹادیا۔ اب مولانا اس روشنی میں اپنے ان قیاسات پر نظر ثانی فرمائیں

مولانا نے کئی صفحوں میں اشتراکیت کے خطرات بیان کئے ہیں: "اس سے اسلامی سوسائٹی پارہ پارہ ہوجائیگی۔" "اس سے مسلمانوں کے عوام دین سے قطعی بیگانہ ہوجائیں گے،" "اس سے عالمگیر اسلامی وحدت کے تخیل خالی الذہن ہو کر رہ جائیں گے،" "اور ان سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ پڑوس کے اسلامی ممالک کا نظام اجتماعی بھی درہم برہم ہوجائے گا،" یہ سب کچھ ہوجائے گا، مگر ان تمام خطرات کے باوجود مولانا نے اس کانگریس کی کوئی مدد نہیں کی جس نے بیک وقت ان تمام





خطرات سے لڑائی کی اور قلت اعوان و انصار کی وجہ سے اس کو میدان سے پسپا ہونا پڑا۔ اگر مولانا نے اس معرکہ میں کانگریس کی مدد کی ہوتی تو وہ ایک ایسی پارٹی کو بر سر اقتدار آنے سے روک دیتے جو ان کے لئے اتنے عظیم و ہولناک خطرات کا فتح باب ہے! اسی لئے کانگریسی مسلمان کہتے ہیں کہ جو لوگ کانگریس میں شریک نہیں ہیں وہ مسلمانوں کے لئے بے شمار خطرات کو دعوت دے رہے ہیں!!

بہرحال کانگریس کے گذشتہ معرکہ انتخاب صدارت نے مولانا کے تمام شبہات دور کر دیئے ہوں گے۔ اب یہ دونوں باتیں قطعی ہیں کہ نہ اشتراکیت مسلمانوں کے خلاف سازش کے طور پر کانگریس کے سامنے تھی نہ کوئی پالیسی کے طور پر۔ اس انکشاف کے بعد تو غالباً اب مولانا محجوب ہوں گے کہ وہ کیوں کانگریس سے اتنے دنوں بدگمان رہے اور کیوں ایسا ہوا کہ انھوں نے اشتراکی کوچہ گردوں کو ملک کے سب سے بڑے طاقتور سیاسی ادارہ کی نشستوں پر قابض ہوجانے دیا۔ اگر جاپان اس کو برداشت نہیں کر سکتا کہ چین کے کسی حصہ میں اشتراکیت پھیلے۔ اگر اٹلی اور جرمنی اسپین میں اس لئے خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں کہ وہاں سے جمہوریت کا تخم فنا کہیں سر نہ اٹھائے تو کتنے افسوس کی بات ہے کہ مولانا نے ایک ایسے دشمن کے خلاف کانگریس کی کوئی مدد نہیں کی جس کا اقتدار کانگریس اور دار الاسلام دونوں کے لئے مہلک ہے۔ مولانا غالباً اس سے بے خبر نہ ہوں گے کہ اگر ہندوستان کے ہندو اشتراکیت سے مغلوب ہوگئے تو مسلمانوں کے ارد گرد کوئی ایسا حفاظتی خط نہیں کھینچا جاسکتا جو اشتراکیت کی آگ ان کے اندر پھیلنے سے روک دے۔ یہ آگ تو ایسی تیز ہے کہ ماسکو سے اڑ کر اسکی چنگاری ہندوستان پہنچتی ہے۔ پھر ایک ہی ملک کی مختلف قوموں میں اسکا پھیلنا کیا دشوار ہے جبکہ حالت یہ ہو کہ زمیندار مسلمان ہے تو کاشتکار ہندو، اور مکان دار ہندو ہے تو کرایہ دار مسلمان۔ اور سرمایہ داری کا یہ حال ہو کہ چند مسلمان اور تھوڑے سے ہندو دولتمند ہیں اور باقی سب وہی آشفتہ مغزوں اور کوچہ گردوں کی بھیڑ ہے۔

مولانا نے صرف کانگریس کو ملزم بنانے ہی میں ناانصافی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ خود اپنی حالت سمجھنے میں بھی سخت غلطیاں کی ہیں۔ وہ اشتراکیت پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے ہمارا اجتماعی نظام درہم برہم ہوجائیگا۔

پھر اپنے موجودہ نظام اجتماعی کو عین اسلامی نظام اجتماعی سمجھ بیٹھے ہیں تو اس طرح اشتراکیت کی زد پر عین اسلام کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے جو نظام اجتماعی قائم کیا ہے ہمارا اعتقاد ہے کہ اس میں اشتراکیت کی دراندازی کے لئے کوئی منفذ نہیں ہے۔ اور آپ آج جس نظام اجتماعی کو اسلامی نظام اجتماعی کہہ رہے ہیں وہ اسقدر مسخ اور اسلام سے ابعد ہے کہ اگر آپ اس کے گلے میں قرآن لٹکا دیں اور اس کے دروازے پر کروبی بھی کھڑے کر دیں جب بھی اس کو اسلام کا کوئی جاننے والا، اسلامی نظام اجتماعی نہیں سمجھ سکتا اور کوئی نہیں ہے جو آج اس کو گرنے سے بچا سکے۔ مولانا لکھتے ہیں:-

"تمام وہ لوگ جو توحید اور رسالت محمدی کے قائل ہیں ایک ہی ہیئت اجتماعی میں شامل ہو جاتے ہیں خواہ ان میں سے ایک عثمان غنیؓ کی طرح سرمایہ دار ہو اور دوسرا ابوذر غفاریؓ کی طرح قلاش، اسی دینی وحدت کی بنا پر ان میں نماز کی جماعت سے لیکر شادی بیاہ تک ہر قسم کے معاشرتی اور تمدنی تعلقات ہوتے ہیں۔"

مولانا نے ان سطروں میں ان اشتراکیوں کا جواب دیا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ غریب مسلمان ان مٹھی بھر دولتمندوں سے کسی طرح نہیں مل سکتے جو اپنی دولت کے مالک و متصرف لاشریک بن بیٹھے ہیں۔ یہ دعویٰ غلط سہی مگر مولانا نے فرمائیں انکا جواب غلط در غلط ہے۔ اول تو یہی بات صحیح نہیں ہو کہ تمام وہ لوگ جو توحید اور رسالت محمدیؐ کے قائل ہیں ایک ہی ہیئت اجتماعی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیوں فرمایا، ان لوگوں نے توحید اور رسالت کا انکار تو نہیں کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ توحید و رسالت کے اعتقاد کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ہماری ہیئت اجتماعی کی تشکیل میں دخل رکھتی ہیں، اور اگر کوئی جماعت انکا اعتقاداً یا عملاً انکار کردے تو وہ ہماری ہیئت اجتماعی کو درہم برہم کر دیتی ہے اور ہمارے اور اس کے بیچ میں ایک خلیج حائل ہو گئی۔ مولانا بھول رہے ہیں کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ اور اعتقاد توحید کے ساتھ رحمت اور ایمان کے ساتھ انفاق بھی دین کا اور اسی کے ساتھ ہماری ہیئت اجتماعی کا دوسرا ستون ہے۔ اور ہماری ہیئت اجتماعی کا نگار خانہ زیادہ تر اسی انفاق و رحمت کے حسن و جمال سے پر رونق تھا۔ پس جن لوگوں نے رحمت کے رشتہ پر مقراض چلا دی، انفاق کا دروازہ بند کر دیا، زکوٰۃ کا عملاً انکار کر دیا انھوں نے اپنا دروازہ ہمارے لئے بند کر دیا۔ اب مولانا اگر کہتے ہیں کہ نواب سلیم [illegible]





اور انکا غریب مسلمان سائیس دونوں ایک ہی ہیئت اجتماعی کے ممبر ہیں تو ہم انکی خاطر سے چاہے تھوڑی دیر کیلئے مان لیں مگر حسن پرشاد اور مولانا کا دل مطمئن ہو گا نہ ہمارا دل مطمئن ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ "اسی دینی وحدت کی بنا پر ان میں نماز کی جماعت سے لیکر شادی بیاہ تک ہر قسم کے معاشرتی اور تمدنی تعلقات ہوتے ہیں۔" لیکن یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ آج تو ہر چیز کی بنا اقتصادی امتیازات ہی پر ہے۔ اسی لحاظ سے شادی بیاہ ہوتے ہیں، اسی پر معاشرتی تعلقات کی بنا ہے، یہاں تک کہ اغنیا غریبوں کے ساتھ مسجدوں میں بھی نہیں آتے۔ پھر ایک غریب فاقہ کش اور ایک راجہ صاحب ایک ہی ہیئت اجتماعی کے ممبر کیسے ہوئے؟

مولانا نے حضرت عثمان غنی اور حضرت ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہما) کی مثال خوب دی۔ شاید انھوں نے ابوذر غفاریؓ کے حالات نہیں پڑھے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت عثمان غنیؓ سے کب مطمئن ہوئے؟ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں، تو بیشک مطمئن رہے کہ انکا عہد اسلام کی سادگی اور مساوات و محبت کا روشن ترین زمانہ تھا اور ہر شخص اپنے مال و متاع کا صرف امین اور خازن تھا، مالک مطلق العنان نہ تھا۔ مگر حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں جب فتوحات بڑھیں، امرا میں شان و شوکت، سرمایہ داری اور عیش و تنعم کا ذوق پیدا ہوا۔ قصر و ایوان بننے لگے تو حضرت ابوذر غفاری خاموش نہ رہ سکے اور وقت کے سرمایہ داروں کے خلاف انھوں نے اپنی صدائے تکبیر بلند کی۔ انکا عقیدہ تھا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو ننگا بھوکا چھوڑ کر اپنے لئے دولت کا خزانہ جمع کرے۔ امیر معاویہؓ وغیرہ امرائے شام کہتے تھے کہ خدا نے اہل دول پر زکوٰۃ کا جو فرض عائد کیا ہے اس کے ادا کرنے کے بعد ہر قسم کی دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے۔ آہستہ آہستہ اس اختلاف نے نزاع کی شکل اختیار کی۔ حضرت ابوذر ان امرا کو علانیہ قرآن کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے۔

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم

جو سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو ایک عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو۔

امیر معاویہؓ کہتے تھے اس آیت کا تعلق یہود و نصاریٰ سے ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے تھے کہ اس کا تعلق مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں سے ہے۔

جب سرمایہ داری اور اشتراکیت (اسلامی اشتراکیت) کی یہ نزاع زیادہ بڑھی تو دنیا کے اولین مقدس اشتراکی کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جس کی توقع تھی۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو لکھا کہ ان کو مدینہ بلا لیجئے! اگر یہ شام میں رہے تو ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ وہ مدینہ میں آئے تو یہاں کی دنیا بھی بدلی ہوئی پائی۔ جس سرزمین سے یہ صدائیں بلند ہو کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچیں تھیں اب اسی سرزمین میں یہ صدا نامانوس ہو گئی تھی۔ لوگ تعجب سے آ آ کر حضرت ابوذرؓ کو دیکھتے جس سے تنگ آ کر یا (باختلاف روایت) حضرت عثمانؓ کے حکم سے ایک چھوٹے سے گاؤں ربذہ نامی میں جلاوطنی کی زندگی اختیار کی اور وہیں اس عالم میں جان دی کہ ان کی رفیقۂ حیات اور ان کے خدا کے سوا کوئی شخص ان کے پاس نہ تھا۔

مولانا ان واقعات پر غور فرمائیں کہ یہ کس چیز کا ثبوت ہے۔ اس سے مولانا کے اس طبقہ کے مسلمین کی حمایت کے اصول نکلتے ہیں جو اپنے مال میں سے خدا کا مقرر کیا ہوا حصہ بھی نہیں دیتا۔ یا کسی اور ہی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ ہم کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج اگر حضرت ابوذر غفاریؓ کے فلسفہ کو دنیا سمجھ جائے تو ساری مشکلات کا خاتمہ ہے۔ لیکن جب مولانا جیسے لوگ ان کی مثال کو سرمایہ داری کی حمایت میں پیش کریں گے تو شاید اس بدقسمت دنیا کی قسمت میں اس یہودی ساحر ہی کے فلسفہ سے تباہ ہونا لکھا ہے جس کے متعلق اقبال نے کہا ہے۔

نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب

(باقی آئندہ)




# تفسیر سورۃ الفیل

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ الفیل کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی بالکل ایک مستقل کتاب ہے۔ واقعہ فیل کی اصل حقیقت اس کتاب کی اشاعت سے پہلے بالکل مجہول تھی۔ علماء ذہبی نے کلام عرب کی مدد سے واقعہ کی تمام تفصیلات فراہم کر کے تمام تاریخی غلطیوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ واقعہ کو بھی بجائے پرستی نے بالکل دوسرا رنگ دے دیا تھا۔ مولانا نے اس واقعہ کے متعلق بہ صحیح شاہدوں کی شہادتیں جمع کر کے اس کی اصل حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے اور اسی سلسلہ میں رمی جمرات اور حج کے دوسرے مراسم کے اسرار و حکم نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ عمدہ مجلد ... صفحے۔ قیمت ...

# تفسیر سورۃ الکافرون

اس میں ہجرت اور براءت کا اصل فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ اور نبوت کے مراحل و مقامات کی توضیح اس قدر حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی بے شمار مشکلات آپ سے آپ حل ہو گئی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ عمدہ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۴۸ صفحے قیمت ۴؍

# اسباق النحو حصہ اول و دوم

اردو زبان میں عربی صرف و نحو کے بہترین رسالے ہیں۔ قیمت حصہ اول ۵ حصہ دوم ۶

# تحفۃ الاعراب

اردو زبان میں عربی نحو کے مسائل نہایت بہترین طریقے سے بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ۲؍

ھدنخو